Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad
ISSN: 2581-9216

ستمبر September 2022

ماہنامہ

صدائے شبلی

حیدرآباد

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

www.shibliinternational.com

قیمت: -/20 روپے

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

ستمبر Sep 2022 جلد: 5: Vol شمارہ: Issue:55

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابوہریرہ یوسفی

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی ۔ پروفیسر مظفر علی شہہ میری

پروفیسر محسن عثمانی ندوی ۔ پروفیسر ابوالکلام

پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی ۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی

مفتی محمد فاروق قاسمی ۔ مولانا ارشاد الحق مدنی

مولانا محمد مساعد ہلال احیائی

اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق ۔ ڈاکٹر حمران احمد ۔ ڈاکٹر ناظم علی

ڈاکٹر مختار احمد فردین ۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو

ڈاکٹر سید امام حبیب قادری ۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی

ڈاکٹر سمیہ تمکین ۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی

ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

ڈاکٹر آصف لئیق ندوی ۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد ۔

مولانا عبدالوحید ندوی ۔ مولانا احمد نور عینی

ابوہریرہ ایوبی ۔ محسن خان

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/- امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ ﷺ	مولوی صفوۃ الرحمٰن صابر	۷
۴	نبی رحمت ﷺ ہندو مفکرین اور دانشوران کی نگاہ میں	مفتی امداد الحق بختیار قاسمی	۱۰
۵	بدنگاہی کے نقصانات — اسباب اور حل	مفتی عمار قاسمی	۱۴
۶	غزل	قمر صدیقی	۱۷
۷	آزادی کا نظریہ اور ہندو راشٹر کا فلسفہ!	ڈاکٹر آصف لئیق ندوی	۱۸
۸	تعزیتی نظم	حافظ وقاری ولی محمد زاہد ہریانوی	۲۱
۹	رفیع احمد قدوائی	تحسین	۲۲
۱۰	غزل	ڈاکٹر رحیم رامش	۲۸
۱۱	ہندوستان کی جنگ آزادی اور چنندہ خواتین کا کردار (۲)	یاسمین	۲۹
۱۲	غزل	فہیم اختر	۳۴
۱۳	پروفیسر اشرف رفیع ہمہ جہت اوصاف کی ادیبہ وشاعرہ	ڈاکٹر ناظم علی	۳۵
۱۴	اُستاد ہوں تو ایسے!	جناب گلاب	۳۷
۱۵	دل	رفعت	۴۰

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب ابوسفیان اعظمی، مقیم حال ممبئی

جناب محمد یوسف بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی محمد فاروق قاسمی، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر سید جلیل حسین ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا منصور احمد قاسمی، معین آباد، تلنگانہ

الحاج رئیس احمد اقبال، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج محمد زکریا انجینئر (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر شہباز احمد، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا محمد عبدالقادر سعود، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج محمد قمر الدین، نیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج محمد عبدالکریم، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

ماہ ستمبر کی ہر ۵ر تاریخ کو ہمارے ملک میں یوم اساتذہ منایا جاتا ہے، کیونکہ اسی دن ہمارے ملک کے دوسرے صدر جمہوریہ اور ماہر تعلیم ڈاکٹر سروے پلی رادھا کرشنن کی پیدائش ہوئی تھی، وہ بحیثیت مدرس کئی اعلیٰ تعلیمی عہدوں پر فائز رہے، انھیں بھارت رتن کے اعزاز سے بھی نوازا گیا تھا۔ وہ ہمیشہ اعلیٰ تعلیمی اقدار اور اخلاق کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اساتذہ کا سماج پر بڑا رول رہا ہے، کیونکہ انھیں کی تعلیم وتربیت سے ملک اور عوام ترقی کرتی ہے مگر ہم جب سماج پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اساتذہ کم ہیں اور انھیں ملازم زیادہ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ انتظامیہ اور حکومت سرکاری غیر سرکاری اساتذہ عملہ کے ساتھ ملازمین کی طرح پیش آتی ہے، اگر ہم بڑی تبدیلی چاہتے ہیں تو انتظامیہ اور حکومت کو اپنے نظر اور نظریہ پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے، بقول شاعر۔

رہبر بھی یہ ہمدم بھی یہ غم خوار ہمارے
استاد یہ قوموں کے ہیں معمار ہمارے

مرکزی حکومت، بالخصوص اتر پریش کی حکومت مدارس کے سروے کا اعلان کر چکی ہے، ان کی نیت کیا ہے یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا، لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس سروے میں شرارت کی بدبو نظر آرہی ہے۔ کیونکہ اگر حکومت کو مسلمانوں کے ساتھ انصاف کرنا ہے اور ان کے بچوں کو اعلیٰ مناصب پر فائز کرنا ہے تو اس کے لئے اور بھی کئی طریقے ہیں جیسے مسلم علاقوں میں اچھے اسکول، کالج وغیرہ کھولے جائیں اور ان کے لئے مالی وسائل فراہم کیا جائے۔ نیز جو سرکاری ادارے ہیں ان کے طریقۂ کار کو بدلا جائے، کیونکہ عام طور پر سرکاری ادارے بیکار پڑے ہوئے ہیں، ان پر خرچ بہت ہوتا ہے مگر اس کا نتیجہ بہت کم نکلتا ہے۔ مدارس پر شک کرنے والوں یا ہمدردی کرنے والوں کو سو بار سوچنا چاہئے کہ مدراس کا مسلمانوں پر اور ملک پر کیا کردار رہا ہے۔ کیونکہ دینی مدارس جہاں اسلام کے قلعے، ہدایت کے سرچشمے اور اشاعتِ دین کا بہت بڑا ذریعہ ہیں تو وہاں یہ دنیا کی سب سے بڑی حقیقی طور پر ''این جی اوز'' بھی ہیں جو لاکھوں طلبہ وطالبات کو بلا معاوضہ تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو رہائش وخوراک اور مفت طبی سہولت بھی فراہم کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ادارہ مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں سے مؤدبانہ گزارش کرتا ہے کہ مدارس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اگر مضبوط کرنا ہے تو مدارس کی ڈگریوں کو اہم گریڈ دے کر مدارس کے فضلاء کو عام سماج کی خدمت کا موقع دیا جائے۔ اس سے بہتر نتائج وجود میں آئیں گے ان شاء اللہ۔ اور ادارہ مدارس کے ذمہ داروں اور انتظامیہ سے بھی دست بستہ گزارش کرتا ہے کہ اپنے داخلی امور کو درست اور صاف وشفاف رکھیں، تاکہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔

حیدرآباد کے مشہور ومقبول استاد شاعر، مسرور عابدی صاحب حالیہ دنوں میں اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ ادارہ: شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد ان کی ادبی وشاعری خدمات پر خراج عقیدت پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت مرحوم کی مغفرت، جنت الفردوس عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے آمین۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو آپ ﷺ اور سارا گھر بھوکا سو رہتا تھا: **کان رسول اللّٰہ اللیالي المتتابعة طاویا واھله لا یجدون عشاء.** آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل وعیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے کیوں کہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔

پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن زبیرؒ نے پوچھا کہ آخر گذارا کس چیز پر تھا؟ بولیں کہ پانی اور کھجور، البتہ ہم سائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیتے تھے تو پی لیتے تھے، آپ ﷺ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی، میدہ جس کو عرب میں حواری اور نقی کہتے ہیں، کبھی نظر سے نہیں گذرا، سہلؓ بن سعد جو اس واقعہ کے راوی ہیں، ان سے لوگوں نے پوچھا کہ آخر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے، بولے منھ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے، جو رہ جاتا اسی کو گوندھ کر پکا لیتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپ ﷺ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔

فدک اور خیبر وغیرہ کے ذکر میں محدثین اور اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کی آمدنی سے سال بھر کا خرچ لے لیا کرتے تھے، یہ واقعہ بظاہر روایات مذکورہ بالا کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت دونوں صحیح ہیں، بے شبہہ آپ ﷺ بقدر نفقہ آمدنی میں سے لے لیتے، باقی فقراء اور اہلِ حاجت کو دیتے تھے، لیکن آپ ﷺ اپنے لیے جو رکھ لیتے تھے، وہ بھی اہل حاجت کی نذر ہو جاتا تھا، احادیث میں آپ ﷺ کی فاقہ کشی اور تنگ دستی کے واقعات نہایت کثرت سے موجود ہیں، چند روایتیں اس موقع پر ہم درج کرتے ہیں:

ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں، آپ ﷺ نے ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیج دو، جواب آیا گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں، آپ ﷺ نے دوسرے گھر کو کہلا بھیجا، وہاں سے بھی یہی جواب آیا، مختصراً یہ کہ آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ نے شکم کو کپڑے سے باندھا ہے، سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے۔

حضرت ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں بدلتے ہیں۔

ایک دفعہ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھایا کہ پتھر بندھے تھے، آپ ﷺ نے شکم کو کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے۔

اکثر بھوک کی وجہ سے آواز اس قدر کمزور ہو جاتی تھی کہ صحابہؓ آپ ﷺ کی حالت سمجھ جاتے تھے، ایک دن ابوطلحہؓ گھر میں آئے اور بیوی سے کہا کہ کچھ کھانے کو ہے، میں نے ابھی رسول اللہ کو دیکھا ان کی آواز کمزور ہو گئی ہے۔

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۲۷۸/۲۸۰)

مولوی صفوۃ الرحمن صابر۔حیدرآباد

نبی آخرالزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی الٰہ واحد ہیں۔ ربوبیت والوہیت الٰہیہ میں افراد خلق ملائکہ وانبیاء علیہم السلام وغیرہم ہم شریک نہیں۔ دوسرے یہ کہ محمدؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ تیسرے یہ کہ انسان کا آخری ٹھکانہ عالم آخرت ہے۔ جو جزائے اعمال کا عالم ہے۔ اور جزائے اعمال کا تعلق بالکلیہ انسان کے عقیدہ وعمل سے ہے۔ اس کی سعی ومحنت سے ہے۔ اگر اس کا عقیدہ وعمل تعلیم ربانی کے مطابق ہوگا تو اس کے لیے آخرت میں نفع ہی نفع ہے یعنی ایک ابدی عیش وراحت کی زندگی "الجنۃ"۔ ورنہ نقصان اور شدید نقصان، نہایت تکلیف دہ نقصان ہے۔ ایک ابدی سوز وتپش کی زندگی "الجحیم" اس لیے قیامت، یوم حساب اور جزائے اعمال کے ہر دو عالم "الجنۃ" و"النار" یقینی ہیں۔ یہ تینوں حقائق بالکل عقل وفطرت انسانی کے مطابق ہیں۔ ان کو ثابت کرنا خالص علمی وفکری کام تھا جس کو آپ ﷺ کی عقل، فہم، اختیار تمیزی اور صوابدید پر نہیں چھوڑا گیا۔ بلکہ اللہ جل اللہ شانہ نے باطل عقاید کی تردید اور اثبات حق کے دلائل نازل فرمائے۔ اور ان ہی دلائل کو بیان کرنا رسالت کے فرائض میں رکھا۔ "یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ آیٰتِنَا" ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ کیونکہ یہ عوامل رسالت ہیں۔

کیونکہ دعوت الی اللہ کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا جہل دور ہو اور وہ علم حق سے بہرہ ور ہو، چنانچہ قرآنی آیات میں اللہ کا علم ہے۔ جس میں ہدایت کی روشنی ہے۔ بیک وقت اللہ تعالیٰ ہی کے الٰہ واحد ہونے اور یوم حساب قائم اور عالم جزاء آباد ہونے کے عقلی وفطری دلائل بھی ہیں۔ اور رسالت محمدیہ ﷺ کا مکمل ثبوت بھی، آیات الٰہی ہی کو سننے اور ماننے سے خوف الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ اور خوف الٰہی سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی ارشاد ہے: یزکیھم یعنی ان کو گندے عقاید واعمال سے پاک کرتے ہیں۔ مثلاً سورہ انعام کا یہ سلسلہ کلام: "وَھُوَ الَّذِیَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِراً نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبّاً مُّتَرَاكِباً وَمِنَ النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّیْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهاً وَغَیْرَ مُتَشَابِهٍ انظُرُواْ إِلِی ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَیَنْعِهِ إِنَّ فِی ذَلِكُمْ لآیَاتٍ لِّقَوْمٍ یُؤْمِنُونَ" (۹۹) "وَجَعَلُواْ لِلّهِ شُرَكَاء الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُواْ لَهُ بَنِیْنَ وَبَنَاتٍ بِغَیْرِ عِلْمٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَی عَمَّا یَصِفُونَ" (۱۰۰) "بَدِیْعُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ أَنَّی یَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَھُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" (۱۰۱) "ذَلِكُمُ اللّهُ رَبُّكُمْ لا إِلَـهَ إِلاَّ ھُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَھُوَ عَلَی كُلِّ شَیْءٍ وَكِیلٌ" (۱۰۲) ارشاد ربانی ہے کہ یہ آسمان سے پانی برسنا پھر اس کے ذریعہ ہر قسم کے نباتات کا اس طرح زمین سے نکلنا کہ پہلے سبز شاخ پیدا ہوتی ہے پھر اس میں دانے نکلتے ہیں۔ اور کھجور کے درختوں میں ان کے خوشے جو بوجھ سے جھک جاتے ہیں۔ مگر گرتے نہیں۔ اور اسی پانی سے انگور وزیتون اور انار وغیرہ جو باہم ایک جیسے اور ذائقے میں ملتے جلتے بھی ہیں اور علحدہ بھی اور یہ پھل جب درخت میں

لگتے ہیں اور پکتے ہیں۔ان میں تم غور وفکر کرو اور سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہی نے بلا شرکتِ غیرے تمہارے رزق کا تمہاری پرورش کا یہ اہتمام کیا ہے۔یہ محض تمہارا جہل ہے جو تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ کا یہ نظام حکومت اجنّہ کی تجاویز وسفارشات سے چل رہا ہے۔اور اسی جہل کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹے بیٹیاں تجویز کرتے ہو۔اللہ تعالیٰ تمہاری ان من گھڑت باتوں سے بہت پاک اور برتر ہیں۔ اپنی کارسازی ٔ کارفرمائی میں اللہ تعالیٰ ملائکہ واجنّہ وغیرہم کی تجاویز وسفارشات کے محتاج نہیں یہ بات اللہ جل شانہ سے بعید ہے۔جنّات اور تمام کائنات ارضی وسماوی اللہ کی مخلوق ہے۔اللہ کی مخلوق کو اللہ کی اولاد یا بیوی قرار دینا اور بوقتِ تخلیق جو سرے سے موجود ہی نہ ہو اس کو تدبیرِ امر میں شریک سمجھنا کتنی غلط ٔ خلاف عقل اور بیہودہ بات ہے۔ہر بات کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔تم سب جاہل ہو لہٰذا اللہ تعالیٰ جو حقیقت بیان کررہے ہیں اس کو سمجھو اور مانو۔کسی فردِ خلق میں یہ قابلیت ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت میں دخیل ہوسکے۔بلکہ صرف اللہ جل شانہ قابلِ پرستش ہیں۔اللہ ہی کی ہدایت کی اتباع کرو۔غور کرو کہ جو سب کا رب ہے وہی مستحقِ عبادت ہے نہ کہ مخلوق جس کے ہاتھ میں نہ نفع ہے نہ ضرر ہے۔آسمان وزمین کی تمام مخلوق باذن الٰہی تم کو نفع وضرر پہنچنے کا ذریعہ ہے نہ کہ وہ خود نافع وضار۔پس تمام مخلوق اللہ ہی کی محتاج ومحکوم ہے وہی کارساز ہے۔یعنی تم کو رزق ''صحت ٔ عافیت ٔ خوش حالی عطا کرنا بالکلیہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے ہر حاجت اور ضرورت ومشکل میں ان ہی سے مدد مانگو۔ مدد کے لئے اللہ ہی کو پکارو۔اسی طرح سورہ طٰہٰ کی آیتیں: ''لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَىٰ(٦) وَإِن تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى(٧) اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ''(٨) (صرف) اُسی کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان میں ہے جو کچھ زمین کے نیچے ہے) کیونکہ اسی نے سب کو پیدا کیا ہے اور وہی ان کی پرورش کررہا ہے۔اس کے علم وخبر کا حال یہ ہے کہ اگر تم اپنی بات کو پکار کر کہو یا پس وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات کو بھی پوری طرح جانتا ہے اور اس سے بھی زیادہ چھپی ہوئی بات کو بھی) اللہ تعالیٰ دلوں میں آنے والے تمام وسوسوں کا پورا پورا علم رکھتا ہے(ق:١٦)۔وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود (پیدا کرنے والاٗ پالنے والاٗ موت وحیات دینے والاٗ جنت ودوزخ میں ڈالنے کا اختیار رکھنے والاٗ کارسازٗ مشکل کشاٗ فریاد رس، داتا) نہیں ہے تمام اچھے نام صرف اسی کے ہیں) یعنی اے پیغمبر جب آپ کو کائنات کا بنانے والا اور چلانے والا اللہ ہی پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو لوگوں کی مخالفت سے ہمت ہارنے کی ضرورت نہیں اللہ ہی ہر لحاظ سے تمہاری مدد کرے گا لہٰذا ہر معاملہ میں صرف اسی سے رجوع کرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ کے الٰہ واحد ہونے کی یہ دلیل بالکل مختصر ہونے کے باوجود کتنی قوی اور جامع ہے آغاز کلام ہی میں یہ حقیقت واضح کی جارہی ہے کہ کائنات ارضی وسماوی میں جو بھی ہے۔اس میں کتنا ہی کمال ہوٗ حسن وخوبی ہوٗ نفع وضرر کیٗ منع وعطا کی قوت ہوٗ مگر ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے محکوم محتاج اور بلا اذنِ الٰہی کسی کے نفع وضرر پر قادر نہیں۔اللہ تعالیٰ نفع پہنچانا چاہیں تو وہ روک نہیں سکتے۔اگر اللہ تعالیٰ ہی ضرر پہنچانا چاہیں تو وہ اس کو دفع نہیں کرسکتے۔آسمانوں اور زمین پر بلا شرکت غیرے اللہ ہی کی حکومت ہے وہ کسی کی رائے ومشورہ کا محتاج نہیں ہے۔یہاں تک کہ زمین کی تہہ در تہہ میں جو نمی وتری ہے وہ اللہ کے حکم سے ہے۔تم جو اللہ کو بلند آواز سے پکارتے ہو تو یہ نہ سمجھو کہ پست آواز

کی اللہ کو خبر نہیں ہوتی۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر ڈھکی چھپی پوشیدہ سے پوشیدہ بات کو بھی جانتا ہے۔ وہ فرماں روا دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں کہ بادشاہ کے کارندے کسی بات کی اطلاع بادشاہ کو دیئے بغیر بادشاہ اس سے باخبر نہیں ہوتا اور نہ دنیا کے بادشاہوں کی طرح وہ دوسروں سے مشورہ لے کر ہی حکم جاری کرتا ہے۔ خبردار! تم افرادِ خلق میں بعض کمالات واوصاف کو دیکھ کر ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ قرار دو۔ تم کو سنوارنا اور بگاڑنا بالکلیہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ہر حسن وخوبی اللہ ہی کے لئے ہے۔ پس اللہ ہی کی بندگی کرو۔ یعنی اپنی اصلاح وفلاح چاہتے ہو تو اللہ ہی کی ہدایتوں پر چلو مدد کے لئے اللہ ہی کو پکارو۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ کبھی اہلِ باطل کے مسلّمات سے استدلال کر کے ان کو سمجھاتے ہیں۔

"قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ" (۳۱) "فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ" (یونس:۳۲)

ان سے کہیے کہ تم تو یہ مانتے ہی ہو کہ آسمان وزمین سے اللہ تعالیٰ ہی تمہارے لئے رزق کا انتظام کر رہے ہیں، تمہاری شنوائی وبینائی اللہ ہی کے اختیار میں ہے جب چاہیں چھین لیں۔ اور یہ بھی مانتے ہو کہ جاندار سے بے جان اور بے جان سے جاندار اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے پیدا ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ تم کو یہ اقرار ہے کہ نظامِ کائنات کے مدبّر اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ تو پھر ان مسلّمات کے باوجود تم کس دلیل کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی فرمانروائی میں دوسروں کو شریک سمجھتے ہو۔ اللہ کی شان میں ایسی غلط بات کہنے سے تم ذرا بھی نہیں ڈرتے۔ پس حقیقت یہی ہے کہ تمہاری حاجت روائی کا یہ جو نظام ہے اللہ ہی تنہا اس کو قائم کئے ہوئے ہیں۔ افرادِ خلق بظاہر تم کو کتنے ہی صاحبِ اختیار معلوم ہوں۔ مگر حقیقتاً وہ مالک ومختار نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ ہی کے محکوم ومملوک ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی فرمانروائی میں شریک ودخیل سمجھنا نری گمراہی ہے۔ پس تم کدھر الٹے جا رہے ہو۔ ایک حقیقت جو بالکل ظاہر وواضح ہے اس کے خلاف بے حقیقت باتوں کو حقیقت سمجھ رہے ہو یہ محض ظن ہے بے اصل خیالات ہیں اسی طرح سورۃ المؤمنین آیت ۹۱ میں مشرکین کے مسلمات سے استدلال کرتے ہوئے اثباتِ حق کرتے ہیں۔ "مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ"۔ اللہ نے مشورے ومدد کے لئے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا۔ "وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ"۔ اور نہ اللہ کے ساتھ کوئی اور صاحبِ اختیار ہے۔ "إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ"۔ تم خود ہی غور کرو اگر ایسا ہوتا تو یہ نظامِ عالم درہم برہم ہو جاتا۔ نظمِ عالم میں جو یکسانیت ہے انسانوں کے حیات وموت، رزق کا جو ایک ہی قانون ساری دنیا میں جاری وساری ہے وہ اس بات کی ایک واضح نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی الٰہ واحد ہیں۔ اور وہی قابلِ عبادت ہے۔ "سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ" (۹۱)۔ ان تمام گھڑی ہوئی باتوں سے اللہ پاک ہے۔ جن کو جاہل انسان اللہ کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ "عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ" (مومنون:۹۲) ہر بات جو ظاہر ہے اور پوشیدہ ہے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں تمہارے ظاہری وباطنی احوال سے باخبر ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کو کسی خبر رساں کی ضرورت نہیں۔ کسی اور فردِ خلق کو عالمِ غیب سمجھنا شرک ہے۔ پس شرک جیسی حقیقت باتوں سے اللہ تعالیٰ بہت برتر ہے۔ اس سلسلے میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ موت کے بعد انسانوں کو کن کن مراحل سے گزرنا ہوگا تہدید آمیز لہجہ سے منکرانِ آخرت کو مخاطب کرتے ہیں۔ (اسوۂ حسنہ، ص ۷۲-۷۶)

مفتی امداد الحق بختیار قاسمی۔ رئیس تحریر عربی مجلہ ''الصحوۃ الاسلامیۃ'' واستاذ حدیث وعربی ادب دار العلوم حیدرآباد

نبی رحمت ﷺ ہندو مفکرین اور دانشوران کی نگاہ میں

اس روئے زمین پر بلا اختلاف دین ومذہب تمام انسانی طبقات کی طرف سے اگر سب سے زیادہ کسی عظیم شخصیت کی تعریف وتوصیف اور مدح سرائی ہوئی ہے، تو وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے؛ چناں چہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم مفکرین، دانشوران، مذہبی، سماجی اور سیاسی شخصیات نے اسلام کے پیغمبر ﷺ کی عظمت، پاکیزگی، تقدس، اخلاق وکردار، صداقت وامانت، رواداری، بھائی چارگی، امن وسلامتی اور انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے بے لوث مخلصانہ پیہم کوششوں کو خوبصورت الفاظ اور پیرایہ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

وہیں دوسری طرف ہمیں ہر زمانے میں کچھ ایسے متعصب اور فرقہ پرست عناصر بھی نظر آجاتے ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کی پانی سے زیادہ پاک، آئینہ سے زیادہ صاف وشفاف، چاند سے زیادہ خوبصورت اور سورج سے زیادہ روشن زندگی پر کیچڑ اچھالنے کی ناکام، نامراد اور گھٹیا کوشش کرتے ہیں، ان کی یہ ہرزہ سرائی کسی مطالعہ، غور وفکر اور استنباط واستخراج کی بنیاد پر قائم نہیں ہوتی؛ بلکہ اس کے پس پردہ تعصب، فرقہ پرستی اور اسلام دشمنی کارفرما ہوتی ہے، چناں چہ اس کا اعتراف اور اظہار کرتے ہوئے خود ایک غیر مسلم دانشور سوامی نرائن جی سنیاسی بی، اے لکھتے ہیں:

''دنیا کے پیر پیغمبروں اور اوتاروں میں سب سے زیادہ ناانصافی اگر کسی کے ساتھ کی گئی ہے اور سب سے زیادہ ظلم اگر کسی پر کیا گیا ہے اور سب سے زیادہ جھوٹ اگر کسی پر بولا گیا ہے، تو وہ رسول عربی حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ ہیں ... طرح طرح کے بہتان آپ پر تراشے گئے اور طرح طرح کے الزام آپ پر لگا کر آپ کو دنیا میں وحشی وخونخوار اور بے رحم دکھایا گیا، جھوٹے سچے واقعات کی بنا پر آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی، چوں کہ عیسائیت، اسلام کو حریف سمجھتی تھی اور اسلام کے مقابلہ پر اس کا فروغ ناممکن تھا؛ اس لیے اسلام کو ہندوستان میں اس نے ایک خاص رنگ میں پیش کیا، جو ہندوستانی تہذیب وروایات کے خلاف تھا، اس کا مقصد یہ تھا کہ اہل ہند کو اسلام اور پیغمبر اسلام سے نفرت پیدا ہو؛ تاکہ عیسائیت کے لیے دروازہ کھلے... اور اس میں اس وجہ سے ایک حد تک کامیابی ہوئی کہ ہندوؤں نے اسلامی تاریخ، مذہب اور بانی اسلام کی سیرت کا کبھی مطالعہ نہیں کیا، عیسائیوں نے جھوٹے سچے واقعات کو جس طرح چاہا رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا اور ہندوؤں نے سچ سمجھ کر ان کو قبول کرلیا اور اسی کے مطابق اپنی رائے قائم کرلی، اس سے ناخوش گوار کیفیت میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا اور فرقہ وارانہ کشیدگی نے بہت زیادہ بڑی صورت پیدا کردی۔(۱)

انگریزی اقتدار کے دور میں عیسائی مشنریز نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو بدنام کرنے کی گندی کوشش کی تھی، ٹھیک اسی طرح اِس وقت ہمارے ملک عزیز کی ایک متعصب اور متشدد فرقہ پرست جماعت اور اس کے کچھ عناصر

بھی اسی طرح کی قے کر کے اپنے اندرون کی غلاظت کا پتہ دے رہے ہیں؛ جب کہ خود انہی کے ہم مذہب بہت سے انصاف پسند ہندو مفکرین اور دانشوران نے نبی رحمت ﷺ کی شان میں اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کیے ہیں اور جلی الفاظ میں آپ ﷺ کی طہارت و پاکیزگی، رحمت و اخوت اور انسانی ہم دردی کو بیان کیا ہے؛ چناں چہ ذیل میں ایسے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔

بابائے قوم جناب موہن داس کرم چند گاندھی پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اسلام نے بزور شمشیر سرفرازی اور سربلندی حاصل نہیں کی؛ بلکہ اس کی بنیاد ہے: نبی کا خلوص، خودی پر آپ کا غلبہ، وعدوں کا پاس، غلام، دوست اور احباب سے یکساں محبت، آپ کی جرأت اور بے خوفی، اللہ اور خود پر یقین جیسے اوصاف''۔(۲)

پروفیسر راما کرشنا راؤ مراٹھی (۳) رسول اللہ ﷺ کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگر عظمت کا راز کسی ایسی قوم کی تطہیر میں پوشیدہ ہے جو سر تا پا وحشت و بربریت کا شکار اور اخلاقی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی ہو، تو وہ شخصیت جس نے عربوں جیسی انتہائی پستیوں میں گری ہوئی قوم کو یکسر بدل کر رکھ دیا، اسے عظمت و شائستگی کے اعلی مقام پر پہنچایا اور علم و تہذیب کا مشعل بردار بنایا، ہر لحاظ سے عظیم قرار پاتی ہے۔ اگر کسی معاشرہ کے متصادم عناصر کے درمیان اخوت و محبت کا رشتہ استوار کرنا عظمت کی نشانی ہے تو یہ امتیاز پیغمبر صحرا کے حصہ میں آتا ہے۔

اگر توہمات کے شکار اور باطل رسومات میں گرفتار لوگوں کی اصلاح کا نام عظمت ہے، تو پیغمبر اسلام نے ہزار ہا انسانوں کو توہم پرستی اور بے بنیاد خوف سے نجات دلائی۔

اگر عظمت کا تصور اعلی اخلاق کا مظہر ہونے سے وابستہ ہے، تو حضرت محمد ﷺ کو ان کے دوست اور دشمن ''امین'' اور ''صادق'' کہہ کر پکارتے تھے۔ اگر ایک فاتح کو عظیم انسان کہا جا سکتا ہے، تو ہمارے سامنے ایک ایسی شخصیت آتی ہے، جس نے اپنی زندگی کا آغاز ایک بے سہارا، یتیم اور معمولی انسان کی حیثیت سے کیا اور بالآخر عرب و عجم کی تاجدار کہلائی، جس کا مقام قیصر و کسری سے کسی طرح کم نہ تھا، اس نے ایک ایسی مملکت کی بنیاد ڈالی جو چودہ سو (اب پندرہ سو) سال سے اب تک چلی آرہی ہے۔

اگر کسی رہ نما سے اس کے پیروکاروں کی عقیدت مندی عظمت کا پیمانہ ہے تو دنیا کے گوشہ گوشہ میں بسنے والے کروڑوں انسانوں کی روحوں کو حضرت محمد ﷺ کا نام ایک سحر انگیز کیفیت سے سرشار کیے ہوئے ہے۔(۴)

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و کردار کے حوالے سے پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

محمد ﷺ اپنے معاصرین کی نگاہ میں کھرے اور اعلی کردار کے مالک تھے؛ چنانچہ یہودی بھی آپ ﷺ کی صداقت کے قائل تھے، آپ کے کردار میں آپ ﷺ کے معاصرین کو دھوکہ دہی، فریب کاری، یا دنیاوی مفاد پرستی کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی تھی۔(۵)

ڈاکٹر شنکر داس مہرہ بی، ایس، سی ایم، بی، بی، ایس، دہلی (۶) تحریر کرتے ہیں:

محمد صاحب وہ مہان ہستی تھے، جن کا سر ہمیشہ خدا کے سجدے میں رہا اور جن کا دل ودماغ انسان کی بھلائی میں، حضرت محمد صاحب وہ انقلابی انسان تھے، جنھوں نے تمام عمر بدی کے خلاف جنگ کی اور انسانیت کو اونچا اٹھانے کا پروگرام پیش کیا، گو یہ پیغام کوئی نئی راہ عمل نہ تھی، آپ سے پہلے بہت سے انبیاء پیش کر چکے ہیں؛ مگر جس خوبی سے آپ نے اس کو دوبارہ پیش کیا اور جس سختی سے اس پر عمل کیا، یہ آپ ہی کا حصہ تھا، آپ کی زندگی پر ہر فرد بشر کو ناز ہونا چاہیے۔(۷)

پروفیسر فراق گورکھپوری لکھتے ہیں:

میرا اٹل ایمان ہے کہ حضرت محمد پیغمبر اسلام کی ہستی بنی نوع انسان کے لیے ایک رحمت تھی، پیغمبر اسلام نے تاریخ وتمدن، تہذیب واخلاق کو وہ سب کچھ دیا جو شاید ہی کوئی اور بڑی ہستی دے سکے، ان کا دلی احترام کرنا ہر انسان کا فرض؛ بلکہ ہر انسان کے لیے سعادت ہے، اس میں مسلم غیر مسلم کی تفریق نہیں۔(۸)

مسٹر اجیت پرشاد جین، سابق وزیر حکومت ہند کہتے ہیں:

آں حضرت ﷺ نے جو پیغام دیا ہے وہ تمام کائنات کے لیے ہے، اگر صحیح جذبہ کے ماتحت دیکھا جائے تو غیر مسلم بھی ان کی تعلیم اور زندگی سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔(۹)

لالہ لاجپت رائے کہتے ہیں:

مجھے یہ کہنے میں ذرا تامل نہیں کہ میرے دل میں پیغمبر اسلام کے لیے نہایت عزت ہے، میری رائے میں ہادیان دین اور رہبران بنی نوع انسان میں ان کا درجہ بہت اعلی ہے۔(۱۰)

مشہور مہاتما ستیہ دھاری اپنی کتاب ''بحر نبوت'' میں لکھتے ہیں:

دین اسلام لانے والے حضرت محمد صاحب کی زندگی دنیا کو بے شمار سبق پڑھاتی ہے، ان کی ہر حیثیت دنیا کے لیے سبق دینے والی ہے؛ بشرطیکہ دیکھنے والی آنکھ، سمجھنے والا دماغ اور محسوس کرنے والا دل ہو۔(۱۱)

لالہ بشن داس لکھتے ہیں:

حضرت محمد صاحب کی شان میں میرے جیسے ناچیز ہیچ مداں کا کچھ عرض کرنا سراسر بے ادبی اور چھوٹا منہ بڑی بات ہے؛ کیوں کہ حضرت ولیوں کی ولی، پیروں کی پیر، آسمانِ نبوت کے سورج، ہادیانِ مذاہب کے سرتاج اور رہنمایانِ دین کے رہبر تھے، جس عزت وتوقیر اور تعظیم وتکریم اور پریم کے ساتھ اس خاتم الانبیاء کا نام لیا جاتا ہے، کسی دیگر پیر، پیغمبر، ولی، گورو، رشی اور منی کا ہرگز نہیں لیا جاتا۔ جو اخوت (بھائی چارہ) پیغمبر اسلام نے قائم کی ہے، کوئی نہیں کر سکا، جس مضبوط چٹان پر اسلام کی بنیاد حضرت محمد نے رکھی ہے، وہ نہ کسی کو ملا ہے، نہ ملے گا۔ یہ ساری باتیں اس امر کا یقینی ثبوت ہیں کہ حضرت محمد صاحب غیر معمولی انسان تھے اور نوع انسانی کی اصلاح کے لیے خدا کے فرستادہ تھے۔(۱۲)

جناب راجندر نارائن لال (۱۳) آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

آپ ﷺ نے اپنی ساری زندگی انتہائی سادگی کے ساتھ گزاری، آپ کسی امتیاز کے بغیر سبھی مذاہب اور طبقات کے لوگوں کے خیر خواہ تھے، آپ ﷺ اس قدر سخی تھے کہ قرض لیکر بھی دوسروں کی ضرورتیں پوری کر دیتے تھے، آپ ﷺ کے اندر کسی طرح کی بھی اخلاقی

برائی نہیں پائی جاتی تھی، آپ ﷺ سراپا صداقت، امانت، پاکیزگی وطہارت، رحم وکرم اور امن وسلامتی کے پیام بر اور سخاوت ورحمت کا مظہر تھے، صرف دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے زندہ رہے، آپ ﷺ کی نیکی کی کوئی حد نہ تھی، محنت ومشقت کی عظمت کے لیے دوسروں میں مساوات، بھائی چارہ، اور ہم دردی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے، آپ ﷺ نے جنگ اور امن کسی بھی حالت میں ایسا کام نہ کیا، جس کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ کو دوسروں سے ممتاز سمجھیں، آپ ﷺ جنگ اور امن میں حیرت انگیز طور پر رحم دل اور درگزر کرنے والے تھے۔(۱۴)

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اس روئے زمین پر سب سے زیادہ عظیم، مقدس، سب سے اعلی اخلاق وکردار کی حامل، بے انتہا صاف وشفاف ہے، رحمت، اخوت، نصرت، سخاوت، ہم دردی، انسانیت نوازی جیسی صفات اپنے مکمل معنی اور مظہر میں آپ ﷺ کی زندگی میں نمایاں ہیں، آپ ﷺ کی حیات مبارکہ پوری انسانیت کے لیے سب سے بہترین نمونہ ہے۔

حوالہ جات

(۱) پیغمبر اعظم ﷺ، مؤلف: مولانا سید محمد طاہر حسن امروہی، اشاعت دوم (۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء) ناشر: جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، ص:۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱۔

(۲) اسلام کے پیغمبر محمد، مؤلف: پروفیسر راما کرشنا راؤ، ترجمہ: شمیم احمد عثمانی، ص:۸، بحوالہ: پیغمبر عالم ﷺ، مؤلف: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ص:۴۴۶۔

(۳) پروفیسر راما کرشنا راؤ مراٹھی آرٹس کالج برائے خواتین میسور کے شعبہ فلسفہ میں استاد اور صدر شعبہ رہے ہیں، انہوں نے (Mohammad The Prophet of Islam) کے نام سے ایک کتابچہ تصنیف کیا ہے۔ جس کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، مصنف نے اس کتاب میں بہت تفصیل کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کو خراج تحسین پیش کیا۔ پیغمبر عالم ﷺ، مؤلف: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ص:۴۴۷۔

(۴) اسلام کے پیغمبر محمد، مؤلف: پروفیسر راما کرشنا راؤ، ترجمہ: شمیم احمد عثمانی، ص:۱۹-۲۰، بحوالہ: پیغمبر عالم ﷺ، مؤلف: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ص:۴۴۷-۴۴۸۔

(۵) سیرت محمد ﷺ عالم انسانیت کے لیے مشعل راہ، خصوصی شمارہ سہ ماہی مجلّہ ''بحث ونظر''، مضمون: ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، ص:۷۳-۷۴-۷۷۔

(۶) ڈاکٹر شنکر داس نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں اپنی عقیدت کے پھول ایک کتاب کی شکل میں پیش کیے ہیں، جس کا نام ہے: ''حضرت محمد کی زندگی ایک ہندو کی نظر میں''

(۷) پیغمبر اعظم ﷺ، مؤلف: مولانا سید محمد طاہر حسن امروہی، اشاعت دوم (۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء) ناشر: جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، ص:۲۴۲-۲۴۳۔

(۸) حوالہ بالا، ص:۲۴۴۔

(۹) حوالہ بالا، ص:۲۴۷۔

(۱۰) حوالہ بالا، ص:۲۴۹۔

(۱۱) حوالہ بالا، ص:۲۴۹

(۱۲) حوالہ بالا، ص:۲۵۳

(۱۳) جناب راجندر نارائن لال (ولادت: ۱۹۱۶ء) کا تعلق بھرت پور، راجستھان سے ہے، انہوں نے ہندی میں ''اسلام – ایک سویم سدھ ایشوریہ جیون ویوستھا'' (اسلام – ایک خدائی نظام حیات) کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

(۱۴) سیرت محمد ﷺ عالم انسانیت کے لیے مشعل راہ، خصوصی شمارہ سہ ماہی مجلّہ ''بحث ونظر''، مضمون: ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، ص:۷۷۔

مفتی عمار قاسمی۔استاذ دارالعلوم حیدرآباد

بدنگاہی کے نقصانات — اسباب اور حل

خالق لم یزل ولایزال نے انسانوں کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان نعمتوں میں سے ایک اہم اور انمول نعمت آنکھ ہے اس نعمت عظمی کی قدر ہر شخص کی ذمہ داری ہے لیکن آج جب کہ ہر طرف فحاشی عریانیت کا ننگا ناچ ہے بدنگاہی بدنظری چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے ہر کوئی ایک دوسرے کو ہوس کا نشانہ بنا رہا ہے لوگ گناہوں کے سمندر میں غرق ہو رہے ہیں تو ضرورت اس بات کی ہے اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں اس کو حاصل کر کے اپنی زندگی میں لائے اور اس پر عمل کرے یقیناً بدنظری انتہائی مہلک مرض ہے خواہشات نفسانی انسان کو تباہ برباد کر دیتی ہے معاشرہ کو گندہ کرنے والی سب سے بری چیز زنا ہے بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے اس سے بڑے بڑے فواحش کا صدور ہوتا ہے چنانچہ قرآن کریم نے بدنظری اور بے حیائی کا دروازہ بند کرنے کیلئے مسلمان مرد عورت کو حکم دیا کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں قرآن پاک میں اللہ فرماتا ہے:

قل المؤمنین یغضو من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون. (النور:۳۰)

ترجمہ: آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے شرمگاہوں کی حفاظت کریں اس میں ان کے لئے پاکیزگی ہے بے شک اللہ کو خبر ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔اور دوسری جگہ یہی حکم عورتوں کے لئے ہے:

وقل اللمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن. (النور:۳۱)

ترجمہ: ایمان والیوں سے کہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

اس کے علاوہ اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد حدیث بھی ثابت ہے آپ نے ارشاد فرمایا: **غضوا ابصارکم واحفظوا فروجکم.** (رواہ الحاکم فی المستدرک برقم ۷۶۰۸) اپنی نگاہوں کو پست رکھو اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔

حافظ ابن القیم الجواب الکافی میں لکھتے ہیں نگاہ شہوت کی قاصد اور پیامبر ہوتی ہے اور نگاہ کی حفاظت دراصل شرمگاہ اور شہوت کی جگہ کی حفاظت ہے جس نے نظر کو آزاد کر دیا اس نے اس کو ہلاکت میں ڈال دیا نظر ہی ان تمام آفتوں کی بنیاد ہے جس میں انسان مبتلا ہے (الجواب الکافی ۲۰۴)

بدنظری سے بچنے کا انعام

عن ابی امامۃ عن النبی قال ما من مسلم ینظر الی محاسن مرأۃ اول مرۃ ثم یغض بصرہ الا أحدث اللہ لہ عبادۃ یجد حلاوتھا. (رواہ احمد ۵/۲۶۲) حضرت ابوامامہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس مرد مومن کی کسی عورت کے حسن و جمال پر پہلی دفعہ نظر پڑ جائے پھر وہ

اپنی نگاہ نیچی کرلے (اوراس کی طرف نہ دیکھے) تو اللہ اس کو ایسی عبادت نصیب فرمائے گا جس کی وہ لذت وحلاوت محسوس کریگا۔

بدنظری سے متعلق آپ نے ارشادفرمایا: **النظرة سهم مسموم من سهام ابليس من تركها من مخافتي ابدلته ايمانا يجد حلاوته في قلبه.** (رواہ الحاکم فی المستدرک:۷۸۷۵-الترغیب والترہیب ۲۸۵۷) نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہرآلود تیر ہے جس نے میری ڈر کی وجہ سے بدنظری چھوڑ دی میں اسے ایسا انعام عطا کرونگا جس کی حلاوت وہ دل میں محسوس کریگا۔

یہ کتنا زبردست انعام ہے کہ اللہ ایک ناجائز نفسانی لذت کی قربانی کے بدلہ میں انسان کو آخرت کے اجروثواب کے علاوہ دنیا ہی میں عبادت وایمان کی دائمی حلاوت ولذت عطا فرمائیں گے یہ انعام تو اللہ اپنے بندوں کو بدنظری سے بچنے پر دنیا ہی میں عطا فرمائیں گے اس کے علاوہ آخرت میں بھی اللہ اپنے بندوں کو دو انعام سے نوازیں گے اول ہر نگاہ کی حفاظت پر انہیں اللہ اپنا دیدار نصیب فرمائیں گے دوم یہ بدنظری سے محفوظ رہنے والی آنکھیں قیامت کے دن رونے سے محفوظ رہیں گی حدیث پاک میں آتا ہے: **روى عن ابى هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كل عين باكية يوم القيمة الا عين غضت من محارم الله وعين فى سبيل الله وعين خرج منها مثل راس الذباب من خشية الله.** (الترغیب والترہیب ۳) حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو نہ دیکھنے سے اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم بن مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ میں نے ثعلبہ اور خزیمہ کے درمیان ایک جوان کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا جو لوگوں سے الگ تھلگ تھا اس کے پاس اخلاص وتوحید کی دولت تھی اور اسے معرفت خداوندی حاصل تھی اور اللہ پر مضبوط توکل رکھتا تھا یقیناً اس کا درجہ اور مقام بہت بلند تھا میں نے اس نوجوان سے معلوم کیا کہ تم کو یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا تو اس نوجوان نے جواب دیا ہر حرام چیز سے اپنی آنکھوں کی حفاظت کرکیا ور ہر منکر اور گناہ سے اجتناب کرکے مجھے یہ انعام حاصل ہوا۔ معلوم ہوا نظر کی حفاظت بے شمار انعامات کے حصول کا سبب ہے۔

مذکورہ آیت سے ایک سبق یہ ملتا ہے اللہ نے آنکھوں اور شرمگاہوں کی حفاظت ساتھ ساتھ بیان فرمائی ہے شرمگاہ کی حفاظت آنکھوں کی حفاظت پر موقوف ہے جس نے آنکھ کی حفاظت نہ کی اس کی شرمگاہ کی حفاظت خطرے میں ہے۔ (روح کی بیماریاں اوراس کا علاج ۹)

نگاہ اور آنکھ کی حفاظت کا بہترین طریقہ نکاح ہے

نکاح کے ذریعہ شہوت کی آگ کو ٹھنڈا کیا جاسکتا ہے اس کے شعلوں کو بجھایا جاسکتا ہے نکاح ہی کے سے انسان شہوت کو جائز طریقے سے پورا کرسکتا ہے اور عفت جیسی صفت سے متصف ہوسکتا ہے اسی عفت کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے ان الفاظ کو قرآن میں محفوظ کردیا جن الفاظ سے حضور ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے تھے کہ وہ بدکاری نہ کریں گی چنانچہ فرمایا: **ولا يزنين ولا يقتلن اولادهن ولا يا تين ببهتان.** (ممتحنہ:۱۲)

اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ بہتان لائے گی۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احادیث طیبہ میں عفت وعصمت سے متعلق اسلام کے نقطہ نظر کو بیان فرمایا اور بدکاری کے نقصانات سے امت کو آگاہ فرمایا اور کثرت اموات کا سبب زنا بتایا چنانچہ ایک لمبی حدیث میں منجملہ اور باتوں کے یہ بھی فرمایا: ولا فحشا الزنا فی قوم الا کثر فیھم الموت. (موطا امام مالک کتاب الجہاد باب ماجاء فی الغول ۷۵۶)

ترجمہ: کسی قوم میں زنا کے عام ہوجانے کی وجہ سے موت ہی کی کثرت ہوجاتی ہے۔

بدنظری کے نقصانات

بدنظری سے آنکھوں میں بے رونقی اور ظلمت پیدا ہوجاتی ہے جس کا اثر چہرے پر ظاہر ہوتا ہے اور چہرہ بے رونق معلوم ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جس سے راہ میں بدنظری کا گناہ سرزد ہوا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی آنکھوں کو دیکھتے ہیں سمجھ گئے اور فرمایا: مابال اقوام؟ یترشح الزنا من اعینھم اس قوم کو کیا ہوا بے محابا میرے پاس چلے آتے ہیں حالانکہ انکی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے وہ شخص حیران رہ گیا اور پوچھنے لگا کیا اب بھی وحی کا سلسلہ باقی ہے؟ آپ نے فرمایا نہی یہ تو مومن کی فراست ہے بدنظری کی ظلمت سے قلب سیاہ ہوجاتا ہے اور نیک عمل کی توفیق چھن جاتی ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں بدنظری نہایت ہی مہلک مرض ہے ایک تجربہ تو میرا بھی اپنے بہت سے احباب پر ہے کہ ذکر وشغل کی ابتداء میں لذت وجوش کی کیفیت ہوتی ہے مگر بدنظری کی وجہ سے عبادت کی حلاوت اور لذت فنا ہوجاتی ہے اور اس کے بعد رفتہ رفتہ عبادات کے چھوٹنے کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے (آپ بیتی ۸۱۴) مزید لکھتے ہیں یہ تو بہت مجرب ہے کہ کہ بدنگاہی سے کپڑوں میں تعفن یعنی بدبو پیدا ہوجاتی ہے شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ کسی بندے کی ذلت وخواری چاہتے ہیں تو اسے خوبصورت چہرے دیکھنے کی عادت میں مبتلا کردیتے ہیں (حیاپاکدامنی ۵۰)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غیر محرم عورتوں کی طرف یا نوعمر لڑکوں کی طرف شہوت کی نظر ڈالنے سے قوت حافظہ کمزور ہوجاتی ہے (بحوالہ حیااور پاکدامنی ۱۵)

نظربازی موجب لعنت ہے

عن الحسن مرسلا قال: بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان ۸۸۷۷)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خدا کی لعنت ہے دیکھنے والے پر اور اس پر جس کو دیکھا جائے مطلب یہ جو کسی نامحرم یا کسی کے ستر کو دیکھے تو اس پر خدا کی طرف سے لعنت ہے یعنی رحمت سے محرومی کا فیصلہ ہے۔ (معارف الحدیث ۶/۲۲۷)

تمام گناہوں سے بچنے کا صرف ایک نسخہ ہے

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے کہ صرف بدنظری نہی بلکہ دنیا کے ہر گناہ سے بچنے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں (۱) انسان اللہ سے اس گناہ سے دور

رہنے کی دعا کرتا رہے (۲) اور اپنے عمل و ہمت سے اس کام سے دور رہے۔

اگر ان میں سے ایک چیز ہے ایک چیز نہیں ہے صرف دعا کرتے رہو اور ہمت نہ کرو تو کام نہیں چلے گا مثلاً ایک آدمی مشرق کی طرف بھاگا جا رہا ہے اور دعا کر رہا ہے اے اللہ مجھے مغرب کی طرف پہنچا دے تو دعا کیسے قبول ہوگی پہلے ضروری ہے کہ اپنے رخ کو مشرق کی طرف کرے اور پھر دعا کرے ورنہ وہ دعا نہیں بلکہ مذاق ہے

بدنظری سے بچنے کا علاج

مضمون بالا سے معلوم ہو گیا بدنظری باطن کو خراب کرنے کے ساتھ ذلت و رسوائی کا بھی سبب بنتی ہے لہٰذا اس کا علاج بہت ضروری ہے تاکہ انسان کو اس سے حفاظت کے سبب دنیا اور آخرت کی سرخ روئی نصیب ہو، چنانچہ اس کا علاج یہی ہے کہ جب پہلی ہی نظر میں نگاہ کو پابند کر کے اللہ کے احکام کی پابندی کر لیں گے تو بدنظری اور بے شمار آفات سے نجات حاصل ہو جائے گی اور اگر بار بار بدنگاہی میں مبتلا ہونگے تو نظر جو کچھ دل میں تخم ریزی کی ہوگی اس کو نیست نابود کرنا بہت مشکل ہو جائے گا جب بدنگاہی ہو جائے تو اس کی گہرائی میں نہ جائیں بلکہ اس کے نتائج بد کی فکر کریں اور اللہ کا خوف دل میں لائیں اس سے ان شاء اللہ حتی الامکان بچ جائیں گے۔

خلاصہ کلام

یہ بدنگاہی کا عمل اپنے نفس کی اصلاح کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور یہ عمل انسان کے باطن کے لئے اتنا تباہ کن ہے کہ دوسرے گناہوں سے یہ بہت آگے بڑھا ہوا ہے جب اس عمل کی اصلاح نہ ہو اور نگاہ قابو میں نہ آئے اس وقت تک باطن کی اصلاح کا تصور محال ہے اخیر میں باری تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہیں کہ باری تعالیٰ اس برے اور گندے فعل سے ہماری حفاظت فرما کر ہمیں صاف اور پاکیزہ نظر عطا فرمائے اور تقوی وطہارت والی زندگی نصیب فرمائے آمین یارب العالمین۔

قمر صدیقی۔ممبئی

غزل

پرانے لوگ تھے دنیا نئی نئی نہیں تھی
کہ جنگلوں سے یہ بستی ابھی ملی نہیں تھی

ہوا جہاں بھی ہمیں التباس پانی کا
ندی کا عکس تھا لیکن وہاں ندی نہیں تھی

ہمارے حصے میں آئی ہے کب مکملی سی
بنی تھی جب یہی دنیا تو کچھ کمی نہیں تھی

چلے تھے جب یہ سفر کس قدر سہانا تھا
ہمارے چہرے پر کچھ دھول بھی جمی نہیں تھی

ہمارا حوصلہ اس وقت تک بلا کا تھا
تمہارے ظلم میں جب تک کوئی کمی نہیں تھی

کہ آسمان بھی اُس پار نیلگوں نہیں تھا
سو یہ زمین بھی اِس پار کچھ ہری نہیں تھی

قمر ہمارا بھی رشتہ تھا رنگ و نکہت سے
یہ زندگی کئی خانوں میں جب بٹی نہیں تھی

ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔عربی لیکچرار مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

آزادی کا نظریہ اور ہندو راشٹر کا فلسفہ!

(پہلی قسط)

دنیا کے بہت سے الفاظ اور اصطلاحات کی طرح آزادی کا مفہوم بھی اسلامی لغت اور ڈکشنری میں اس مفہوم سے بہت مختلف ہے، جو دنیا کی دوسری قوموں نے اس لفظ سے سمجھ رکھا ہے، مغرب میں آزادی کا جو مفہوم وچلن رائج ہے، وہ مشرق میں اس مفہوم وچلن سے بالکل جدا ہے، ہر قید وبند سے آزادی اور ہر ضابطہ سے چھٹکارا اور ہر طرح کی نگرانی سے (خواہ اس کا سرچشمہ خود انسان کی ذات ہو) نجات پانے کا نام مغرب میں آزادی ہے، چنانچہ اہل مغرب کے نزدیک آزادی کا مطلب یہ ہے کہ آپ جو چاہیں کریں، جو چاہیں کھائیں، جو چاہیں پہنیں اور جیسا چاہیں عقیدہ رکھیں، کسی انسانی سماج میں اس قسم کی بے مہار آزادی کیا گل کھلائے گی! اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے، بلکہ اس آزادی کا بھیانک نتیجہ ہماری اور آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے! آج جو قوم وملک جتنا زیادہ اس آزادی کا پروردہ اور دلدادہ ہے، وہ اتنا ہی زیادہ بڑے بڑے جرائم ومظالم جیسے، چوری، قتل وغارت گری، عصمت دری، جنسی بے راہ روی، خیانت اور بداخلاقی کی آماجگاہ ہے، جبکہ اسلام میں آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا ہر اطاعت اور بندگی سے آزاد ہو جائے، یہاں تک کہ خود اپنے نفس، اپنی خواہشات اور اپنی قوم کی حاکمیت کا کوئی پھندا بھی اس کی گردن میں باقی نہ رہے! اسلام میں آزادی کو کتنا بلند مقام حاصل ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی عقیدے کو اختیار کرنے کے معاملے میں بھی اسلام نے انسان کو مجبور نہیں کیا ہے، جیسا کہ نصِ قرآنی سے ثابت ہوتا ہے: سورہ دہر کی آیت نمبر 03 میں ہے، جسکا ترجمہ اور مفہوم ہے: کہ ہم نے اس کو راہ سجھادی، چاہے وہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایمان، عقیدہ اور توحید سے متعلق معاملات میں، جو کہ سب سے زیادہ اہم معاملات ہیں، انسان کو اختیار اور آزادی عطا کی ہے۔ یعنی سمیع وبصیر بنا کر اور اپنے نبیوں اور اپنی کتابوں کے ذریعے شکر وکفر کا راستہ بتا کر اس کو اختیار دے دیا کہ وہ جس راستے کو چاہے اپنے لیے منتخب کرے، جو راستہ بھی وہ اختیار کرے گا، اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا، چنانچہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 256 میں ہے: دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے، ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے، تو جس نے طاغوت سے انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط رسی پکڑلی جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ سورہ یونس، آیت نمبر 99 میں اللہ فرماتا ہے: اور اگر تیرا رب چاہتا تو روئے زمین پر جتنے لوگ بھی ہیں، سب ایمان قبول کرلیتے، تو کیا تم لوگوں کو مجبور کروگے کہ وہ مؤمن بن جائیں؟ سورہ غاشیہ کی آیات

21-22 میں اللہ کا کھلا فرمان ہے کہ: تم یاددہانی کرادو، تم بس ایک یاددہانی کرانے والے ہو۔ تم ان پر داروغہ مقرر نہیں کیے گئے ہو۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لیے اس نے افراط وتفریط کی غیر فطری روش سے ہٹ کر اعتدال کی راہ اپنائی ہے۔ اسلام کی نظر میں انسان پابند محض نہیں ہے کہ اس کو کسی طرح کے ارادہ واختیار کی آزادی نہ ہو، اسی طرح وہ اس قسم کی موہوم اور بے مہار آزادی کو خارج کرتا ہے، جو سماج میں انتشار اور بدامنی کا سبب بنے یا جس سے فساد فی الارض رونما ہوتا ہو، اسلام ارادہ واختیار کی آزادی کو سراہتے ہوئے، جبر واکراہ کو مسترد کرتا ہے، اسلام آزادی کو انسان کا بنیادی حق قرار دیتا ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ایک ایسا فریضہ تصور کرتا ہے، جس سے دست برداری جائز نہیں، وہ ایک خدائے واحد کی بندگی کا پابند بنا کر سینکڑوں خداؤں کی بندگی اور باطل افکار ونظریات سے انسان کو آزادی دلاتا ہے، بندوں کی غلامی اور دنیا والوں کی تنگ نظری سے نکال کر آزادی اور بلند نظری کے وسیع دائرے میں داخل کرتا ہے، انسانی بھائی چارے کو فروغ دیتا ہے اور تمام انسانوں کو خدا کا ایک کنبہ اور خاندان قرار دیتا ہے، انسانیت اور آدمیت کے اصول کو تقویت پہنچا کر مضبوط، پائیدار اور صحت مند سماج ومعاشرہ کی تشکیل میں اہم رول ادا کرتا ہے، بلا امتیاز مذہب و ملت ہر فرد وبشر کی جان ومال، دین وعقل اور عزت وآبرو کی بقا وتحفظ کو یقینی بنا کر ترقی وخوشحالی کے وسیع امکانات پیدا کرتا ہے اور منضبط آزادی کا پروانہ عطا کر کے انسان کو سعادت دارین کی شاہراہ پر گامزن کر دیتا ہے۔

اس لئے اس کے نزدیک اس اخلاق ونظریے سے زیادہ خطرناک اور تشویشناک کوئی اخلاق ونظریہ نہیں ہوسکتا کہ جس سے نفرت کا ماحول اور خوف کا سماں پیدا ہو اور قوت کا سہارا لے کر کسی قوم ومذہب کو ٹارگٹ کیا جائے، ان کے بنیادی انسانی حقوق چھینے جائیں، ان پر ظلم وزیادتی کے پہاڑ توڑے جائیں، ان کے افکار وآراء کو کسی خاص نظریے کے تحت غلام بنایا جائے، ان کے خلاف حد درجہ تنگ نظری کا مظاہرہ کیا جائے اور مختلف مراعات کے ذریعے اسے الحاد وارتداد کا شکار بنایا جائے، گھر واپسی کا میڈیا کے ذریعے خوب واویلا مچایا جائے، لو جہاد اور تبدیلی مذہب کا سخت سے سخت قانون پاس کیا جائے، اسی طرح اس کے نزدیک ایسے انسان سے بدتر کوئی انسان نہیں ہوسکتا کہ جن کا آئینہ ظاہر باطن کا عکس نہ ہو، ان کا قول ان کے اعتقاد قلب کا عنوان نہ ہو اور ان کی زبان ان کے دل کی سفیر نہ ہو، امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کا اپنے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن عاصؓ سے متوجہ ہوکر جبکہ ان کے فرزند نے کسی مصری کو بلاوجہ کوڑے سے مارا تھا، اس کا بدلہ دلوانے کے باوجود انہوں نے حاکم مصر سے جو تاریخی جملہ کہا تھا کہ "تم نے لوگوں کو کب سے اپنا غلام بنا رکھا ہے، جب کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا..؟" اسلامی عدل وانصاف اور فطری آزادی کی بہترین مثال ہے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ کے نزدیک اخلاق کی جان حریتِ رائے، استقلال فکر اور آزادی قوم ہے جواب ہمارے آزاد ملک سے مفقود ہوتا نظر آرہا ہے۔

کم وبیش آٹھ سو سال تک اسی استقلال، حریت اور فطری آزادی کے جذبات واحساسات سے سرشار ہوکر تمام مسلم حکمرانوں نے ملک ہندوستان میں اپنی حکمرانی کا جو

بہترین نمونہ پیش کیا کہ برادران وطن نہ صرف ان کے دلدادہ ہوئے، بلکہ ان کو اپنا اور اپنے ملک کا مخلص اور محسن سمجھ کر طویل حکمرانی کا موقع فراہم کیا اور بادشاہوں نے انہیں اپنی رعایا سمجھ کر ہر طرح کے ظلم وستم اور حق تلفی و ناانصافی سے مامون ومحفوظ رکھا، معاشی واقتصادی طور پر انہیں مضبوط کیا اور اپنے عمل سے اسلامی عدل وانصاف کا جو نظریہ پیش کیا کہ وہ مذہب اسلام کے ایسا گرویدہ ہوگئے کہ بعضوں نے بنا جبر و اکراہ اپنے بادشاہ کا دین قبول کرلیا، اسی اتحاد، سالمیت، جمہوریت، اخلاص ومحبت اور مساوات کی بنیاد پر مسلم حکمرانوں نے باجود اقلیت کے اکثریت پر حکومت کی کہ ملک دنیا کا امیر ترین اور دولتمند ملکوں میں سرفہرست شمار ہونے لگا، دنیا کی کل جی ڈی پی کا ایک چوتھائی حصہ تن تنہا یہ ملک پیدا کرتا تھا، اورنگ زیب عالمگیرؒ کا زمانہ اس بات کا شاہد ہے، جنہوں نے اسی خلوص ومحبت اور ترقی وخوشحالی کے ساتھ تنہا پچاس برس وہ مثالی حکمرانی پیش کی کہ جن کے دور اقتدار میں مندر ومسجد اور ہندو مسلم کا کوئی تنازع پیدا نہیں ہوا، وہ اگرچہ بہت نیک طبع، پاک طینت اور اسلامی مزاج کے متحمل بادشاہ تھے، ان کے تقوی وپرہیزگاری کی حد تو یہ تھی کہ وہ حکومت کے بیت المال سے ایک پائی بھی نہ لیتے تھے اور بغیر تنخواہ کے خود قرآن کے نسخے لکھتے تھے، ٹوپیاں تیار کرتے تھے اور اسے فروخت کرکے اپنا گھر بار چلاتے تھے، جنہوں نے مندروں کیلئے فنڈ جاری کیا اور مسجدوں کو بھی آباد کیا، ملک کے اعلی ذات برہمنوں کو نہ صرف حکومت سے قریب کیا بلکہ ان کو بڑے بڑے عہدوں اور منصبوں پر فائز کیا، نفرت وعداوت اور بھید بھاؤ کے جذبات سے بالاتر ہوکر خود بھی قومی محبت سے سرشار رہے اور سب کو اس کا مکلف بنایا اور سب کے ساتھ اخوت ومودت اور یکجہتی ویگانگت کا بہترین معاملہ کیا، سب کا ساتھ سب کا وکاس اور سب کا وشواس کا حقیقی ماحول پیدا کیا اور اپنی حکمت وفراست سے ملک کو گنگا جمنی تہذیب کا بہترین گہوارہ بنادیا، سب کے ساتھ یکساں بنیادی انسانی حقوق کا برتاؤ وسلوک کیا اور مساوی درجہ فراہم کرکے اپنی خودداری، انسانیت اور آدمیت کا ثبوت فراہم کیا، مگر افسوس کہ ان حقائق سے منہ موڑ کر کسی خاص نظریے اور پالیسی کے تحت بڑے متقی، پرہیزگار، مدبر اور اعلیٰ درجے کے منتظم شہنشاہ عالمگیر کے بجائے ان کے بڑے بھائی داراشکوہ کا خوب نام لیا جارہا ہے۔ اس طرح ملک کا ماحول عالمگیرؒ کے حق میں بگاڑا جارہا ہے اور ان کے کارناموں کو اجاگر کرنے اور ان سے متصف ہونے کے بجائے انہیں مسخ کیا جارہا ہے اور طرح طرح کے الزامات کا بوچھار کرکے ان کے ناقابل تردید کارناموں پر پانی ڈالا جارہا ہے، جو نہایت بزدلی اور احسان فراموشی کی بات ہے۔

یاد رہے کہ ملک پر اگر کوئی ایسا نظریہ جبراً تھوپا جائے، جس میں مساوات، آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کا کوئی پاس ولحاظ باقی نہ رہے اور اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ ویسا برتاؤ وسلوک نہ کیا جائے اور برابری کا وہی درجہ انہیں فراہم نہ کیا جائے جو مسلم حکمرانوں کے دور میں برادران وطن بالخصوص برہمنوں کو حاصل تھا، تو یہ موجودہ ارباب اقتدار کی تنگ نظری اور چشم پوشی کی واضح دلیل ہوگی، جو ملک کے اتحاد، سالمیت، جمہوریت، حریت اور معیشت کو مستحکم کرنے کے بجائے اسے بدنظمی اور بدامنی کا شکار بنادے گی۔ کوئی بھی ایسا نیا دستور وآئین جو جمہوری نظام سے متصادم ہو، جس میں ذات پات کا بھید بھاؤ ہو، اقلیتوں کے حقوق کی جس سے پامالی کا خطرہ لاحق ہو اور ان کے ساتھ لاحق خطرات وخدشات

کو دور کرنے کے بجائے اسے مزید خوف ویاس اور حق تلفی وناانصافی کا داعی ہو تو اسے مخلص برادران وطن بھی کبھی برداشت نہیں کریں گے، کوئی محب قوم اور خیر خواہ انسانیت کبھی یہ نہیں چاہیں گے کہ ان کے صدیوں پرانے پڑوسی مسلم اور عیسائی بھائی کا وہ حق چھین لیا جائے جو انہیں موجودہ جمہوری ملک میں آزادی کے بعد سے مسلسل حاصل ہے، خواہ وہ ہندو راشٹر کے فلسفے یا اس کے نظریے کے ذریعہ کیوں نہ ہو، اسے کبھی پسند نہیں کیا جائے گا، اب اخبارات کے حوالے سے جس مسودہ کی تیاری کا اعلان آچکا ہے، جس میں کاشی، وارانسی کو دلی کے بجائے ہندو راشٹر کی راجدھانی کے طور پر متعارف کرایا جارہا ہے، پرنٹ میڈیا کی خبروں سے اس بات کی تائید ہورہی ہے کہ مسلمانوں کو اس راشٹر میں ووٹنگ کے حق سے محروم کردیا جائے گا، بھلا وہ دستور کیسے محبوب اور ملک کا پسندیدہ دستور بن سکتا ہے جو ملک میں صدیوں سے آباد رہنے والے اپنے ہی اقلیتی بھائی کو ووٹنگ کے حق سے محروم کردے اور اسے دوسرے درجے کا شہری قرار دے دے وغیرہ وغیرہ، ایسے متنازع افکار اور نقائص کے حامل نظریے کو ملک میں کیونکر نافذ کیا جاسکتا ہے، جب کہ ملک میں پہلے سے ایک بہترین جمہوری دستور وآئین موجود ہے، جو تمام نقائص سے پاک ہے، جس میں ذات پات اور بھید بھاؤ کی کچھ باتیں نہیں ہیں، ورنہ ملک کے باشندے آزادی اور چین وسکون کی زندگی گزارنے سے قاصر ہوجائیں گے، انہیں خوشحال اور پرامن زندگی گزارنے کی صحیح طلب اور جستجو پیدا ہوگی۔ اس کے لئے وہ آخر کہاں جائیں گے؟ دل ہو بھی چکا ٹکڑے ٹکڑے، حد ہو بھی چکی بربادی کی۔۔۔ کمزور کہاں تک جھیلیں گے اپنوں کے جفا غیروں کے ستم۔

حافظ وقاری ولی محمد زاہد ہریانوی۔ حیدرآباد

تعزیتی نظم

حیدرآباد کے نامور مترنم شاعر جناب سیّد مسرور عابدی شرفی قادری کے سانحۂ ارتحال پر

شاعر بھی کامیاب تھے مسرور عابدی
انساں بھی لاجواب تھے مسرور عابدی

شہرِ سخن میں اُن سے اُجالا رہا سدا
گویا کہ آفتاب تھے مسرور عابدی

شاعر وہ باکمال تھے ماہر عَروض کے
علم و ادب کا باب تھے مسرور عابدی

کرتا تھا بے شمار جو ندیوں کو فیضیاب
بہتا ہُوا وہ آب تھے مسرور عابدی

شاگردِ خاص بھی تھے وہ حضرت عدیلؔ کے
گویا کہ اُن کا خواب تھے مسرور عابدی

وہ کامیاب و کامراں آتے تھے لوٹ کر
کرتے جو انتخاب تھے مسرور عابدی

ذوقِ سُخن جو بھر گئے مردہ قلوب میں
شاعر وہ پُر شباب تھے مسرور عابدی

ملنا ضرور اُن کو تھا، مٹی میں ایک دن
کیونکہ بس اک تُراب تھے مسرور عابدی

زاہدؔ بھی دیکھتے ہی یہ پڑھ لیتے تھے جسے
ایسی کھلی کتاب تھے مسرور عابدی

رفیع احمد قدوائی

نام :- رفیع احمد قدوائی

پیدائش :- 18 فروری 1894ء

ضلع :- قصبہ مسولی، بارہ بنکی (یوپی)

خاندان:- مورث اعلیٰ قدوۃ العلماء والدین قاضی مغیر الدین

تعلیم :- بی۔اے

استاد :- حاجی صاحب

انتقال :- 24 اکتوبر 1954ء کو ہوا

رفیع صاحب 18 فروری 1894ء کو بارہ بنکی ضلع کے قصبہ مسولی میں ایک متوسط زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ان کے خاندان کے مورث اعلیٰ قدوۃ العلماء والدین قاضی مغیر الدین عرف قاضی دہ تھے جو اپنے علم اور زہد وتقوی کی وجہ سے بڑے متمایز تھے۔

رفیع صاحب کے مورث اعلی مستان شاہ کے نام سے موسوم تھے انہوں نے تقریباً ساڑھے سات سو برس پہلے مسولی کو بسایا تھا جب رفیع صاحب کی پیدائش ہوئی صاحب کی پیدائش ہوئی۔اس وقت ان کے والد کی عمر 15 برس کی تھی۔رفیع صاحب نے ایمانداری، سخاوت، فیاضی اور بے مثل رواداری کا سبق اپنے والد سے سیکھا۔

رفیع صاحب کو اپنی سوتیلی ماں سے بہت زیادہ محبت تھی۔اپنی ساری زندگی انہوں نے ان کا کہا مانا اور کبھی کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف نہ کی۔عقل آنے کے بعد رفیع صاحب حاجی چھوٹک جو نامور پہلوان بھی تھے۔حاجی صاحب ان کے استاد بھی تھے دوست بھی اور مشیر بھی۔رفیع صاحب بہت زیادہ شرمیلے ہو گئے۔اور ان میں غریبوں سے بے پناہ ہمدردی، اور ایثار اور دوسروں کے لیے قربانی کرنے کے بے پناہ جذبات پیدا ہو گئے۔

بچپن: بچپن میں کبھی ان کی دوسرے لڑکوں سے لڑائی نہیں ہوئی۔اس زمانے میں زمیندار گھرانوں میں نوکروں اور ملازموں کی بڑی تعداد رہتی تھی۔رفیع صاحب کے ملازم ان کی اس خوبی کے معترف تھے کہ انہوں نے نہ تو کسی ملازم کے ساتھ سختی کی اور نہ کبھی غصہ کیا۔

تعلیم: رفیع صاحب اور ان کے بھائیوں کی تعلیم کی ذمہ داری ان کے چچا ولایت علی صاحب نے لے لی۔جو بارہ بنکی میں وکالت کرتے تھے۔وہ رفیع صاحب کو جب کہ وہ دس برس ہی کے تھے اپنے ساتھ بارہ بنکی لے آئے اور انہیں گورنمنٹ اسکول میں داخل کیا۔یہاں سے انہوں نے 1913ء میں میٹرک یا ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔

اسکول میں بحیثیت مجموعی وہ اوسط درجے کے طالب علم تھے لیکن ریاضی میں وہ غیر معمولی طور سے اچھے تھے ان کے ریاضی کے استاد ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔وہ ریاضی کا مشکل سے مشکل سوال حل کر لیتے تھے۔رفیع صاحب غیر معمولی حافظے کے مالک تھے اور عبد العلی قدوائی صاحب کے مطابق جو ان کے قریبی رشتہ دار بھی تھے اور ہم جماعت بھی انہوں نے اس بلا کا حافظ پایا تھا کہ انہیں کلاس

میں پڑھائی ہوتے سبق کو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی تھی اگرچہ نہ تو انہیں اپنی کلاس میں سب سے اونچی پوزیشن ملی اور نہ ہی انہوں نے کبھی کسی مضمون میں امتیاز حاصل کیا۔لیکن وہ کبھی کسی امتحان میں فیل نہیں ہوئے ۔ اسکول میں وہ اپنے شرمیلے پن، سنجیدگی کم سخنی اور سب سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے بہت کم دوست بنا سکے۔ان کی کبھی کسی لڑکے سے لڑائی نہیں ہوئی۔

اسکول کے زمانے سے ہی وہ مولانا محمد علی کے انگریزوں ہفتہ وار کامریڈ کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے ان کے دل میں قوم پرستی کا جذبہ اور زیادہ بھی تیز ہوگیا۔اور اس کے ساتھ برطانوی حکومت کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی۔کامریڈ کے مطالعہ سے ان کا سیاسی شعور اور زیادہ پختہ ہوگیا۔

سنہ 1913ء میں بارہ بنکی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔اس کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ یونیورسٹی کی بورڈنگ میں آپ خوراک مانیٹر تھے کیسے معلوم تھا کہ یہ شخص آئندہ ہمارے ملک کا وزیرخوراک بھی ہوگا۔ 1920ء میں بی.اے کیا۔اس کے بعد ملکی سیاست میں شامل ہوگئے۔

ایم_اے_اوکالج: میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد رفیع صاحب 1916ء میں ایم اے۔اوکالج علی گڑھ میں داخل ہوئے جس اقامتی ہال میں وہ رہتے تھے وہاں کے سینئر فوڈمانیٹر (Senior Food Monitor) ہونے کے بعد انہوں نے بہت کوشش سے وہاں کے کھانے کے معیار کو لے کر بہتر بنایا اور اس کی وجہ سے وہ طلباء میں بہت زیادہ ہر دل عزیز ہوگئے اگر رفیع صاحب نے 1920ء میں اپنی پڑھائی کا سلسلہ منقطع نہ کردیا ہوتا تو غالباً ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے انہیں کالج سے نکال دیا ہوتا کیوں کہ وہ یونین کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔بی.اے پاس کرنے کے بعد انہوں نے ایل.ایل.بی میں داخلہ لیا۔لیکن تحریک ترک موالات کی مصروفیتوں کے باعث وہ اسے مکمل نہ کرسکے کہ خلافت کی تحریک اور مہاتما گاندھی کے "بھارت چھوڑو" آندولن سے جڑ گئے۔اس زمانے میں ان کی شادی مجید النساء صاحبہ سے ہوئی - یہ شادی ان کے اپنے عزیزوں میں ہوئی تھی۔

انہوں نے کانگریس اور خلافت کمیٹی میں شمولیت اختیار کی اور ان کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے انہوں نے ضلع کے گاؤں اور دیہاتوں کا دورہ شروع کیا کانگریس اور خلافت کے کارکنوں سے ان کا گہرا ربطہ قائم ہوگیا ان کے گرد مخلص کارکنوں کا ایک گروہ اکٹھا ہوگیا ان میں سے متعدد حضرات ان کے چچا کے گہرے دوستوں میں تھے۔

طالب علمی کے زمانے میں وہ گوکھلے کی قائم کردہ سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی سے بھی اتنا زیادہ متاثر ہوئے کہ وہ اس میں شامل ہونا چاہتے تھے۔لیکن ان کے چچا نے مشورہ دیا کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہی اس میں شرکت کریں.. اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان میں قومی خدمت کا کتنا زیادہ جذبہ تھا۔

کھیل: اسکول کے زمانے میں انہیں شطرنج کھیلنے کا شوق ہو گیا- باوجود شرمیلے پن اور کم سخت ہونے کے وہ گلی ڈنڈا اور کبڈی کے کھیلوں میں قصبے کی روایات کے مطابق بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

تحریک ترک موالات اور گرفتاری

دسمبر 1916ء میں کرسمس تعطیلات اپنے چچا کے ساتھ گزارنے کیلئے رفیع صاحب بارہ بنکی میں تھے- اسی اثناء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس ہو رہے تھے- اسی موقع پر کانگریس اور مسلم لیگ کے تاریخی معاہدے پر دستخط ہوئے تھے- رفیع صاحب کانگریس کے اجلاس میں شرکت کرنا چاہتے تھے- لیکن چونکہ ان کے والد سرکاری ملازم تھے اور اس زمانے میں گورنمنٹ کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کی وجہ سے کسی بھی سرکاری ملازم کے لڑکے کانگریس کے اجلاس میں شرکت کرنا سخت قابل اعتراض تھا۔

اس لئے ان کے چچا کے کہنے کی وجہ سے انہیں ان کے والد نے اجلاس میں شرکت کی اجازت دیدی۔

رفیع صاحب پہلی بار کانگریس کے اجلاس میں شریک ہوئے- کانگریس کے لکھنؤ اجلاس کا سب سے اہم کارنامہ تھا کہ ہندوستان میں دستوری اصلاحات یعنی ہندوستان میں ذمہ دار حکومت کے قیام اور مجالس قانون ساز میں ہندو اور مسلم اور دوسری ملتوں کی نمائندگی کے مسئلے پر مسلم لیگ اور کانگریس سمجھوتہ ہوگیا۔

رفیع صاحب اپنے ان محبوب لیڈروں کی فتح کی وجہ سے زبردست خوشی ہوئی- اس اجلاس میں تلک، رینی بنٹ، موتی لال نہرو، گاندھی جی، مظہر الحق جناح، راجہ صاحب، پر اچھا اثر پڑا- اس سال سے رفیع صاحب کا کانگریس سے باضابطہ تعلق شروع ہوا، رفیع صاحب کانگریس اور خلافت کمیٹی کے ممبر بن گئے اور انہوں نے ایل ایل بی کی پڑھائی امتحان شروع ہونے سے ایک مہینہ پہلے تحریک ترک موالات کی وجہ سے 1920ء میں چھوڑ دی- انہوں نے اپنے ضلع کے متعدد گاؤں کا پیدل دورہ کیا اس وقت ان کے گاؤں میں نہ تو بیل گاڑی مل سکتی تھی اور نہ یکہ دستیاب تھا انہوں نے اپنے ضلع میں والنٹیر کور اور کانگریس اور خلافت کی شاخیں قائم کیے بارہ بنکی ضلع میں تحریک ترک موالات کو چلانے والے رفیع صاحب ہی تھے۔

7 جنوری 1922ء سے لے کر 17 جنوری 1922ء تک رفیع صاحب نے بارہ بنکی گھنٹہ گھر کے نزدیک ہونے والے جلسوں میں جن میں بہت زیادہ لوگ شریک ہوئے، تقریریں کیں- انہوں نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ تحریک ترک موالات میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوں- ان کی کوشش سے بارہ بنکی ضلع اس تحریک میں بہت آگے تھا۔

اس زمانے میں پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی متعدد جلسوں میں تقریریں کیں جن سے رفیع صاحب بہت زیادہ متاثر ہوئے اور وہ تب ہی سے پنڈت جی سے بہت محبت کرنے لگے اور رفیع صاحب کی پنڈت جی سے محبت اور رفاقت مرتے دم تک قائم رہی۔

ان کے چھوٹے بھائی شفع نے بھی سرکاری ملازمت چھوڑنے کے بعد اس تحریک میں حصہ لیا یہ دونوں بھائی گرفتار ہوگئے اور دونوں کو قید سخت کی سزا ہوئی۔

جیل میں دونوں نہروؤں اور جیل کے دوسرے ساتھیوں سے قریبی رابطہ رکھنے کی وجہ سے رفیع صاحب کو ہندوستان سیاست کے بارے میں بڑی بصیرت حاصل ہوئی۔ جس سے انہیں سیاسی نشیب و فراز سمجھنے میں بڑی مدد ملی۔

ان کی گرفتاری کے بعد پولیس نے ان کے مسولی کے آبائی مکان کی مکمل تلاشی لی اور ان کے والد کی جائیداد کو نیلام کردیا اس کی وجہ سے انہیں بڑا بھاری مالی نقصان اٹھانا پڑا۔

رہائی کے بعد رفیع صاحب نے گھر سے الگ رہنے کا فیصلہ کیا تا کہ ان کے والد کو اس قسم کے نقصانات نہ پہنچیں - انہوں نے لکھنؤ میونسپل بورڈ میں ٹرمینل ٹیکس کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ کی جگہ کے لیے درخواست دی تھی - اس وقت لکھنؤ میونسپل بورڈ پہ سوراجیوں یا ان کا کانگریسوں کا، جو مجالس قانون ساز میں جا کر دستواری لڑائی کرنا چاہتے تھے، قصبہ تھا لیکن وہ اس عہدے کے لیے منتخب نہ ہو سکے - جب پنڈت موتی لال نہرو کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے چودھری خلیق الزماں سے رفیع صاحب کو الہ آباد بھیجنے کے لیے کہا - رفیع صاحب وہاں پہنچے اور پنڈت جی نے انہیں یوپی صوبہ جاتی کانگریس کے دفتر کا سکریٹری مقرر کیا۔

اس کے بعد وہ آلہ آباد میں رہنے لگے تھے - اس کے بعد نہرو خاندان سے آپ کے تعلقات گہرے ہو گئے - پنڈت نہرو کے بھی دست راست سمجھے جاتے تھے۔

جناب رفیع احمد قدوائی مجاہد جنگ آزادی اتر پردیش کے ایک ایسے لیڈر تھے جن کے پیروکاروں میں ہندوؤں کی ہی اکثریت تھی - تعصب سے ان کی ذات مبرا تھی - وہ بڑے خوش دل اور ہنس مکھ انسان تھے - امیر غریب سب ان کے دوست تھے _ یوپی کے ہوم منسٹر تھے مگر ان کے بنگلے کا پھاٹک ہر کسی کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا تھا - ان کا ملاقائی بغیر کسی اطلاع کے ان کے کمرے میں گھس کر ان سے باتیں کر سکتا تھا - جب کہ دوسرے منسٹروں سے ملنے کے لیے بڑی دشواری ہوتی تھی - وہ ہر شخص سے خلوص کے ساتھ ملتے تھے - پریشان حال لوگوں کے ساتھ ملتے تھے - پریشان حال لوگوں کے ساتھ ہمدردی کرنا ان کا شیوہ تھا کچھ اسی قسم کی خوبیوں کی بنا پر قدوائی صاحب کے بہی خواہوں کا تانتا بندھا رہتا تھا وہ خود ہی اپنی مثال آپ تھے - اور دوسروں کے لئے ان کی زندگی مشعل راہ تھی -

قدوائی صاحب کی شہرت سن کر ہی پنڈت جواہر لال نہرو نے جو کہ وزیر اعلیٰ تھے _ انہیں دہلی بلا لیا تھا _ اور انہیں اپنی کابینہ میں شامل کر کے رسل و رسائل اور غذا جیسے اہم شعبہ ان کے سپرد کر دیئے گئے تھے اتنے بڑے عہدے پر فائز ہونے کے باوجود قطاروں میں کھڑے ہو کر انہوں نے معلوم کیا تھا کہ پبلک کو تار بھیجنے رجسٹری کرانے اور راشن وغیرہ لینے میں کتنی تکلیف ہوتی ہے - انہوں نے ان محکموں میں سدھار کر کے لوگوں کی تکلیفوں کو کسی حد تک کم کر دیا - یہ ان کی ہمت تھی کہ انھوں نے راشننگ ہی ختم کر دی تھی

1926ء انگریزوں نے سینٹرل لیجسلو اسمبلی کا ان کو رکن بنایا جہاں انہوں نے ہندوستانیوں کی نمائندگی کرنی تھی اسی وقت کانگریس کی بنائی ہوئی سوراج پارٹی سچڑ گئے - جس کا مقصد تھا صرف آزادی اور کچھ نہیں - انہوں نے کانگریس کے بہت سارے کام کئے اور خاص کر سوراج پارٹی سے اس وقت کے نوجوانوں کو جوڑا جو یوپی کے لیے ایک اہم کام تھا - یہ ہمیشہ پنڈت موتی لال نہرو کی سرپرستی میں کام کرتے رہے۔

جب انگریزوں نے 1935ء کا انڈین ایکٹ پاس کیا تو قدوائی صاحب انڈین نیشنل کانگریس کے خاص رکن تھے یہ ایکٹ ایک ایسا ایکٹ تھا کے جس میں ہندوستانیوں کے حق کی دخل اندازی تھی اور خاص کر جب ہندوستان سے نوابوں یا راجاؤں کا دور ختم نہیں ہوا تھا - تعلیم کے میدان میں ہندوستانی لیڈروں کی دخل اندازی ضروری تھی - اور اس میدان میں رفیع احمد قدوائی نیا پنا کافی یوگ

دان دیا- اس زمانے میں یوپی کا نام تھا صوبہ ممالک و آگرہ و اودھ- اس میں اودھ یعنی لکھنو کا علاقہ بنارس تک اور آگرہ کا علاقہ دہلی تک تھا۔

1937ء میں جب گوبند بلبھ پنت (State Wardship) یعنی منسٹر کا عہدہ سنبھالے ہوئے تھے تو یہ ان کے کابینہ کے وزیر تھے یوپی وہ پہلا صوبہ ہے جس نے زمیدارانہ نظام کو 1946ء ختم کر دیا - اور زمینداروں کا زمین بنجر پڑا رہتا تھا اور اس میں کھیتی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

جب ملک 15 اگست 1947ء کو آزاد ہو گیا تو پنڈت نہرو نے انہیں بلا کر کابینہ میں جگہ دی اور منسٹر آف کمیونیکیشن بنایا۔

کانگریس پارٹی میں ایک ایسا بھی دور آیا جب پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کے بیچ کچھ تناؤ دکھنے لگا - کچھ لوگ نہرو جی کے ساتھ تھے اور کچھ سردار پٹیل کے- اس وقت رفیع احمد قدوائی نے کانگریس سے استعفیٰ دے دیا - اور اپنی ایک الگ پارٹی بنائی جس کا نام تھا کسان مزدور پرجا پارٹی اور اپنے دم پہ 1952ء میں الیکشن لڑا- اس میں قدوائی اپنی اس نئی پارٹی سے جیت گئے- لیکن پھر بعد میں کانگریس میں آ گئے اور پنڈت جواہر لال نہرو نے انہیں فوڈ اور اگریکلچرل کا منسٹر بنایا- پنڈت نہرو کے کابینہ میں ایک ہی وقت میں دو مسلم وزیر تھے- ایک مولانا ابوالکلام آزاد جو تعلیم کی وزارت سنبھالے ہوئے تھے - اور دوسرے قدوائی جو فوڈ اور اگریکلچرل کے کام کو اتنا سنبھالا کہ کھیتی کی پیداوار بڑھ گئی اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ انہوں پنڈت گوبند بلبھ پنتھ کے زمانے میں زمیندارانہ نظام کو الوداع کہہ دیا- اور سارے زمینداروں سے ان کی زیادہ زمین چھین کر غریبوں تک پہنچا دیں۔

بٹوارہ کے بعد ملک ہندو مسلم فساد سے ٹھیک طرح سے ابھرا نہیں تھا جگہ جگہ نفرت کا الاؤ جل رہا تھا لیکن قدوائی اور ان کے ہندو ساتھی سب کے سب سیکولر ذہنیت کے تھے- یہ ہندو مسلم اتحاد کے ہمیشہ سے علم بردار رہے اور ماتحت کے لوگوں میں کبھی بھی ذات پات کی بنا پر امتیازی سلوک نہیں کیا - یہ اپنی ایمانداری اور دیانت داری کیلیے بہت مشہور تھے یہ جب تک جیئے وزیر ہی رہے- لیکن خود کا گھر جو گاؤں میں تھا وہ کچا کا کچا ہی رہا۔ جو ان کے والد نے گھر بنایا تھا۔ اس میں رہتے رہے۔

کانگریس میں صرف دو ایسے لیڈر میں جو اپنی ایمانداری کے لیے مشہور ہیں ایک رفیع احمد قدوائی اور دوسرے لال بہادر شاستری - یہ گاندھی جی کے زبردست پیروکار تھے اور جب کبھی ادھر ادھر جائے- جہاں بھی جاتے صرف پیڈل رکشا پہ جاتے - یہ سرکاری گاڑی کا تبھی استعمال کرتے جب سرکاری کام ہوتا - یہ جس طرح اپنے گھر سے غریبی کی حالت میں نکلے ٹھیک ویسے ہی منسٹر بننے کے بعد بھی رہے، ان کی ایمانداری اتر پردیش میں ایک مثال ہے۔

کسانوں اور زمینداروں کی تحریک کے سلسلے میں بہت ہی اچھا اور قابل ستائش قدم اٹھایا- جس کی وجہ سے لوگوں سے قریب ہو چکے تھے-

پرانے زمینداری نظام کی خرابیوں کو دور کر کے اصلاح کی، رفیع صاحب جس عہدے پر بھی فائز ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا-

اس کے ساتھ ہی ملک کی سالمیت کو برقرار رکھا تقسیم وطن کے بعد اپنے صوبے کی فرقہ وارانہ فضاء کو قابو میں رکھا اور قومی ایکتا کی فضا کو بھی برقرار رکھا۔

بقول امیر احمد صدیقی،

"جمہوریت اور سالمیت کو بچانے کے لئے رفیع صاحب نے شیخ محمد عبداللہ کو راتوں رات گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا تھا- اس وقت کشمیر ملکی اور غیر ملکی سازشوں کا اڈا بنا ہوا تھا" (تحریک آزادی ہند کے چند مجاہدین، مصنف:- ڈاکٹر عبدالعزیز عرفان، ص:92)

ایک با صلاحیت منتظم کی حیثیت سے بھی قدوائی نے دور اندیشی کے ساتھ مختلف وزرات قلمدان سنبھالا اس کے ساتھ ہی رفیع احمد قدوائی ایک انسان دوست اور تخلص انسان بھی تھے ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی برابری عانت کرتے تھے۔

رفیع احمد قدوائی کے بارے میں مختصر

رفیع صاحب کی پیدائش 18 فروری 1895ء میں مسولی میں ہوئی، خاندان اوسط درجہ کا زمین دار تھا - یہ خان صاحب امتیاز علی کے سب سے بڑے بیٹے تھے- ان کے چھوٹے بھائی شفع احمد قدوائی۔ ہندو پاکستان کے بٹوارہ کے دوران فسادات جاری تھے کہ فسادیوں کی ایک بھیڑ نے شفع صاحب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

مگر اس کے باوجود رفیع صاحب فرقہ پرستی کے جنون کا شکار نہ ہوئے - ان کا ذہن بالکل سیکولر تھا آپ کی پرورش آپ کی سوتیلی والدہ نے کی تھی۔

سنہ 1931ء میں بارہ بنکی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اس کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا- یونیورسٹی کی بورڈنگ میں آپ خوراک مانیٹر تھے۔ کسے معلوم تھا کہ یہ شخص آئندہ ہمارے ملک کا وزیر خوراک بھی ہوگا۔

1920ء میں بی. اے کیا۔ اس کے بعد ملکی سیاست میں شامل ہوگئے۔ 1921ء میں تحریک عدم تعاون میں حصہ لیا اور گرفتار ہوئے۔

1923ء میں موتی لال نہرو کے سکریٹری رہے 1926ء میں یوپی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے - 1928ء تک اسمبلی میں چیف گیسٹ رہے۔ 1929ء میں جب اسمبلی کا بائیکاٹ کیا گیا تو آپ بھی مستعفی ہوگئے- 1930ء میں گرفتار ہوئے اور چھ ماہ کی سزا ہوئی- 1931ء میں یوپی کانگریس کے سکریٹری بنائے گئے- اس کے بعد 1935ء میں یوپی کانگریس کے مدیر منتخب ہوئے۔

سنہ 1937 تا 1939 یوپی کے وزیر مالیات کے عہدے پر فائز رہے 1940 میں "ستیہ گرہ" کرتے ہوئے گرفتار ہوئے - اگست 1942ء تا 1945 نظر بند رہے- 15 اگست 1947ء میں ہندو پاکستان کے بٹوارے میں پاکستان جانے کو آپ نے پسند نہیں کیا- 1947ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر بن گئے - 1942 اور 1943ء میں یوپی حکومت میں وزیر داخلہ بنائے گئے۔

پنڈت نہرو نے جو ہندوستان کے وزیر اعظم تھے ان کو دلی بلا لیا اور اپنی کابینہ میں شامل کر کے انہیں محکمہ ڈاک وتار سپرد کیا رفیع صاحب نے خبر رسانی کے لیے وائرلیس کی سروس شروع کرائی- ہندی میں تار دینے کی اسکیم کا آغاز کیا -انٹرنیشنل ڈاک لفافے جاری کرائے۔

1951ء میں پرشوتم داس ٹنڈن سے اختلاف ہونے پر آپ نے وزارت سے علاحدگی اختیار کر لی - پھر کچھ عرصے بعد ان کو وزیر خوراک وزراعت کی ذمہ داری سونپی گئی آپ نے اس محکمہ میں تمام اصلاحی اقدامات ناقد کئے- عوام کی قطاروں میں کھڑے ہو کر لوگوں کی شکایات کا

جائزہ لیا- آپ نے کھیتی باڑی کے کام میں نمایاں خدمات کرنے والوں کے لئے" کرشی پنڈت" کے خطاب اور اس کے لیے انعام واکرام کا اعلان کیا- اندھا دھند محنت اور کام کی کثرت نے ان کو تھکا دیا اور ان کی صحت خراب ہونے لگی۔

"انہوں نے راشینگ کے طریقہ کار کو ختم کیا"

دہلی کارپوریشن کے الیکشن کے سلسلہ میں تقریر کررہے تھے 24 اکتوبر 1954ء کا دن تھا- تقریر کرتے کرتے ان کی سانس بہت پھولنے لگی اور آواز بند ہوگئی- اچانک اسٹیج پر گر پڑے، اور جب انہیں اسپتال لے جایا گیا تو دل کا دورہ سے ان کا انتقال ہوگیا تھا- ان کو ان کے گاؤں مسولی بارہ بنکی ضلع میں دفن کیا گیا۔

ہندوستان نے اپنے ایک مرد مجاہد کو کھودیا- اسی وجہ سے مولانا ابوالکلام آزاد نے ان کی موت پر اظہار غم کرتے ہوئے کہا تھا۔

"رفیع کا نام ان لوگوں کے ساتھ میں سنہری الفاظ میں لکھا جائے گا جنھوں نے جدوجہد آزادی کے زمانے میں ملک کی بھلائی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور اس آزادی کو مستحکم کرنے میں مدد کی" (تحریک آزادی ہند کے چند مجاہدین، مصنف: ڈاکٹر عبد العزیز عرفان، ص_ 93)

درحقیقت رفیع احمد قدوائی کا نام تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھا جاچکا ہے تاریخ انھیں کبھی فراموش نہیں کر پائے گی۔

بطور یادگار

1) 1956ء کے بعد ICAR نے اپنے سائنس دانوں کو ان کے نام کا ایوارڈ دینا شروع کیا۔

2) 2011ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے پوسٹل اسٹاف کالج غازی آباد کا نام رفیع احمد قدوائی پوسٹل اکیڈمی غازی آباد رکھا۔

3) کلکتہ شہر میں ایک روڈ ان کے نام پر ہے۔

4) لہردوتی ضلع میں ان کے نام پر ایک کالج ہے۔ قدوائی انٹر کالج۔ رفیع احمد قدوائی ایمان داری کا ایک قطب مینار۔

ڈاکٹر رحیم رامش۔ سرپور کاغذنگر، عادل آباد، تلنگانہ

غزل

کوئی اُن کا نہ اب ٹھکانا ہے
کیا رقیبوں سے دِل لگانا ہے

کیوں پڑھیں وندے ماترم ہم بھی
جب کہ اقبال کا ترانہ ہے

ہندو مسلم جہاں رہیں محفوظ
ایسا ہندوستاں بنانا ہے

روزِ محشر سے کیوں ڈروں میں جب
سر پہ رحمت کا شامیانہ ہے

صرف غیروں سے دوستی ہی نہیں
دشمنوں کو گلے لگانا ہے

تو ہی آقا ہے تو ہی ہے معبود
تیرے آگے ہی سر جھکانا ہے

ساتھ آئیں گی نیکیاں رامش
مال ودولت یہ چھوڑ جانا ہے

یاسمین۔ گیسٹ فیکلٹی، جونیئر کالج گرلس ملکنڈہ، تلنگانہ

ہندوستان کی جنگ آزادی اور چنندہ خواتین کا کردار (۲)

نشاط النساء بیگم

حسرت بیگم کی کہانی بھی ان گنت کہانیوں میں سے ایک ہے اور ساتھ ہی ان بہت سی بھولی بسری داستانوں میں شمار کی جاسکتی ہے جن کے ساتھ آزاد ہندوستان کی تاریخ نے مناسب انصاف نہیں کیا۔ بیگم حسرت کا شمار ان خواتین میں ہوتا ہے جنھوں نے بیسویں صدی کے اوائل میں قومی تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ بیگم حسرت میں پوری امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ انھوں نے حسرت کو جن کی تمام تر زندگی آزادی کی مکمل تفسیر رہی نہ صرف لیلائے حریت کے سپرد کردیا بلکہ اپنی زندگی کو بھی قوم کے لئے وقف کردیا چکبست نے ان کی قومی خدمات کو سراہتے ہوئے "صبح امید" میں قوم کے جوانوں کو مشورہ دیا تھا۔ بیگم حسرت کی زبان عام جلسوں میں پولیٹیکل مردانگی کا راگ گانے کے لئے خلق نہیں ہوئی ہے مگر اس شہید وفا کی زندگی کا نغمہ 'خاموش' وطن پرستوں کی روح کے لئے کافی ہے۔ جدوجہد آزادی میں بیگم حسرت کے ایثار اور ان کے سیاسی شعور کے ارتقاء کا جائزہ حسرت کی سیاسی نظریات وعقائد کے تجزیہ کے بغیر ممکن نہیں۔

نشاط النساء بیگم حسرت موہانی کے نام سے مشہور ہیں 1885ء اناؤ (یوپی) کے ایک قصبہ موہان میں پیدا ہوئیں، ان کی شادی مولانا حسرت موہانی سے 1905ء میں ہوئی، نشاط النساء بیگم ایک باحوصلہ اور بہترین رفیق حیات ثابت ہوئی بلکہ اس نے زندگی کے سارے مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کیا یہاں تک کہ چکی پیس کر اجرت پر سلائی کر کے نمک روٹی کھا کر زندگی گزار دی لیکن میدان جنگ آزادی میں شوہر کا پشت دیکھنا گوارا نہیں کیا۔ بیگم حسرت کے کردار سے متاثر ہوکر سید سلیمان ندوی نے کہا تھا:

> "شوہر کے قید وبند کے بعد جبکہ ان کا کوئی مونس ومدد گار نہی ہوتا ہر قسم کی شکلوں کو بہادری اور استقلال کے ساتھ برداشت کرنے میں شاید ہی کوئی مسلمان عورت ان کے مقابلہ کی نکل سکے" (ص-176- خواتین ہند کے تاریخی کارنامے۔ فضل حق عظیم آبادی)

13 اپریل 1914ء میں حسرت دوسری بار گرفتار کئے گئے نشاط النساء بیگم کی زندگی میں یہ تاریخ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اس کے ساتھ ساتھ ہی ان کی سیاسی زندگی، عملی زندگی کا آغاز ہے جب انھوں نے گھر کی چار دیواری سے نکل کر حسرت کے مقدمے کی پیروی اپنے ذمہ لی اور یہ کام انتہائی اور بڑی دلیری اور اہمیت سے انجام دیا۔ ان کے زندگی کا یہی وہ دور ہے جب انھوں نے معاشرے کی مخالفت کے باوجود پردہ ترک کیا۔ وہ چہرہ کھول کر نہایت سادہ لیکن پردہ پوش لباس میں باہر آئیں اور کسی کی پرواہ نہ کرتیں۔

نشاط النساء بیگم تمام تر اجم سیاسی سرگرمیوں کے پس پشت محض ایک جذبہ رفاقت تھا جدوجہد آزادی میں ان کی عظیم الشان خدمات کا مناسب اعتراف نہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں ہے ان کے سیاسی شعور کا آغاز اور ارتقاء حسرت کی

معیت میں ہوا۔

نشاط النساء بیگم کی سیاسی سرگرمیاں محض حسرت کے مقدمات کی پیروی تک رہی محدود نہ تھیں حسرت کے ساتھ بہت اہم سیاسی اجلاس میں ان کی شرکت اور اس کے لئے بے سروسامانی کی حالت میں بھی دوردراز کے سفر کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی برداشت کرنا۔سودیشی تحریک کو مقبول بنانے کی انتھک جدوجہد کل ہند زنانہ کانفرنس میں شرکت ہم خیال سیاسی رہنماؤں سے خط و خطابت قومی اخبارات سے مسلسل ربط اور کل ہند زنانہ وفد میں مسز بینٹ وسروجنی نائیڈو وغیرہ کے ساتھ ان کی شمولیت جو قومی سطح پر ان کی منفرد حیثیت کی واضع نشاندہی ہے۔

بیگم حسرت کی جرات و اہمیت کی صفات ان کی کارکردگی کی اہلیت وصلاحیت اور ملک کی آزادی کی خاطر جدوجہد کا تجزیہ اگر ہم اس زمانے کے مسلم معاشرے کے پس منظر میں کریں تو ان کے کارناموں کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

سیاست داں خواتین کے مقابلے میں نشاط النساء بیگم ایک متوسط درجے کے خاندان کی فرد تھیں ذوق سیاسی کی ملک تھیں اور اپنی سیرت اور عمل سے اپنا سیاست داں ہونا ثابت کیا تھا حسرت سے ان کی شادی 14 یا 15 برس کی ایک شرمیلی سی مشرقی لڑکی سے ہوئی۔کوئی اہم و مصیبت ایسی نہ تھی جو حسرت پر آئی ہو اور نشاط النساء نے اسے آگے بڑھ کر یہ نشاط خاطر نہ اٹھا لیا ہو انھوں نے حسرت کے ساتھ مل کر پریس چلایا' رسالہ نکالا سودیشی اسٹور میں بیٹھ کر دکان داری کی' نمایش میں اسٹال لگایا۔وہ جیل گئے تو ان کے مقدمات کی پیروی کی جیل میں ان کے آرام اور مطالعے کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا بندوبست کیا وکیلوں کا انتظام کیا۔ان کی رہائی کے لئے تحریکیں چلائیں۔خواتین میں تعلیم کے فروغ کی تحریک میں حصہ لیا۔متعدد زنانہ کانفرنسوں میں شرکت کی۔حسرت کے شانہ بشانہ جلوس کی قیادت کی۔انھیں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔حسرت کی قید و بند کے زمانے میں خود انتہائی تکلیف اٹھائی لیکن حسرت پر اپنی تکلیف اور غم کی پرچھائیں بھی نہ پڑنے دی۔ان کی محبت نے حسرت کو ہمیشہ اور زندگی کے ہر مرحلے میں ولولہ تازہ عطا کیا۔

ان میں عملی صلاحیتوں ہی فراوانی نہ تھی۔وہ ذہنی و دماغی قابلیتوں اور فکری صلاحیتوں کی بھی مالک تھیں۔ملکی سیاست پر ان کی نظر تھی ادب کا اچھا ذوق رکھتی تھیں۔حسرت کی شاعری کے مرموز اتو محاکات کو خوب سمجھتی تھی۔زندگی کے مصائب نے انھیں اپنے آپ سے بے گانہ اور اپنی زینت وارائش سے بے پروا کر دیا تھا۔حسرت کا تغزل تمام تر نشاط النساء کی والہانہ محبت کا عطیہ تھا۔نشاط النساء نے شریک حیات کے لفظوں کو معنی سے آشنا اور ان کی عزت وقار میں اضافہ کیا تھا وہ واقعی حسرت کی رفیق زندگی تھیں اور معاون 'ہم نوا اور مشیر بھی اور جذبہ حب الوطنی میں وہ حسرت سے کسی طرح کم نہ تھیں۔

ایسی خاتون جس نے گھر کے صحن سے لے کر قومی زندگی کے مختلف میدانوں تک اپنی فطرت کی بلندی' سیرت کی پختگی اور عمل میں استقامت اور ذوق سلیم کے گہرے نقوش چھوڑ دے ہوں جو کسی شخص کی صرف شریک حیات ہی نہ رہی ہو بلکہ ہر دائرہ فکر و عمل میں اپنی مستقل حیثیت رکھتی ہو اور صنف نازک دے تعلق رکھنے کے باوجود جس نے بہادری' پامردی بے خوفی' اور حق گوئی کی مثالیں قائم کی ہوں

اور آزمائش کی کسی گھڑی میں اس کے پائے ثبات کو لغزیش نہ ہوئی ہو۔

کل ہند زنانہ کانفرنس میں ان کا رول بے حد اہم تھا انفرادی حیثیت سے بھی اور مولانا حسرت موہانی کے ساتھ جنگ آزادی میں وہ ہر قدم پر مولانا کے ساتھ رہیں۔ حسرت موہانی قانون تحفظ ہند کے تحت گرفتار لئے گئے تھے تو ایک خط کے ذریعہ نشاط النساء بیگم نے مولانا عبدالباری کو لکھا:

"خدا حسرت کی ہمت اور حوصلے کو بلند کرے۔ انھیں کامیاب کرے دیکھئے کیا ہوتا ہے؟ اگر خدائی نہ کرے قید ہوئے تو مجھے بھی صبر کرنا چاہیے اور خدا ست دعا کرنا چاہیے کہ مجھے اتنی قوت قدرت کا صلہ عطا کرے کہ کسی بھی صورت ظالموں سے حسرت کے ساتھ بے جا ظلم کا انتقام لے سکوں چاہے مجھے بھی قید یا پھانسی کیوں نہ ہو جائے"

(ص-112-113)

دسمبر 1922ء میں کانگریس اجلاس کے وقت گاندھی جی اور حسرت موہانی دونوں جیل میں تھے نشاط النساء بیگم اجلاس میں شامل ہوئیں۔ اس اجلاس میں ترک مولات گی مخالفت اور کاؤنسلوں میں شرکت کے سوال پر بحث ہوئی۔ نشاط النساء نے اپنی تقریر میں کہا

"جو لوگ مکمل آزادی کے خواہاں ہیں وہ اس پروگرام کو ترک نہیں کر سکتے۔ جو لوگ جزوی آزادی چاہتے ہیں وہ کاؤنسلوں میں آئینی اصلاحات کی قسط وصول کر سکتے ہیں" (ص۔113)

نشاط النساء بیگم ایک بہ ہمت خاتون تھیں 1917ء میں جب لاڈ مانٹیگو ہندوستان آئے تو ہر وفد کو مطلع کر دیا گیا کہ آزادی کے سلسلے میں اور نظر بند کئے گئے لوگوں کے تعلق سے کوئی سوال نہ اٹھائیں۔ نہ ہی کوئی کاغذ پیش کریں . نشاط النساء بیگم نے ہدایت یکسر نظر انداز کرتے ہوئے نہایت جرات سے کام لے کر وزیر ہند سے کہا" جب آپ نے آئر لینڈ کے باغیوں کو رہا کر دیا ہے تو پھر ہندوستان کی آزادی کے خواہاں نظر بند انقلابیوں کو بھی آزاد کر دیجئے"

نشاط النساء بیگم کی دلیری کی سب نے تعریف کی آزادی کی متوالی اپنی بہن کی خدمت میں لوگوں نے مبارکباد پیش کی۔

آفریں باد برایں ہمت مردانہ تو

نشاط النساء بیگم حسرت موہانی کے پریس میں پیپر مین کی خدمات بھی انجام دیتی تھیں وہ جنگ آزادی میں ہر قدم ہر پل شوہر کے ساتھ رہیں۔ کشن پرساد کول نے ان کے متعلق لکھا:

"بیگم حسرت میں وطن پرستی اتنی ہی تھی جتنی حسرت میں تھی۔ ان کی حیثیت جدوجہد آزادی کے متوالوں میں منفرد تھی ان کا دماغ بمقابلہ حسرت سے زیادہ سلجھا ہوا تھا حسرت کی صحبت نے اس میں چار چاند لگا دئے تھے" (ص-114)۔

مولانا آزاد نشاط النساء بیگم کو حسرت کی کوہ عزم و ثبات بیوی" کہہ کر پکارتے تھے 1937ء میں نشاط النساء بیگم کا انتقال ہوا۔ بحر کیف نشاط النساء بیگم قومی جنگ آزادی میں قربانیوں کے پس پشت جذبہ رفاقت و جذبہ حب الوطنی دونوں ہی مساوی طور پر کارفرما تھیں۔

تحریک آزادی میں خواتین کی شرکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس زمانے میں ان کے مجاہد شوہر

جیلوں میں چکی کی مشقیں برداشت کیا کرتے تو ان کی ہمدم و ہمساز رفقائے حیات گھروں کا انتظام ہی نہیں سنبھالتی تھیں بلکہ ہر طرح کی معاشی سختیوں ذہنی الجھنوں اور دیگر پریشانیوں کے باوجود اپنے شوہروں کے حوصلے بڑھاتیں اور دوسرے ایران آزادی کے خاندانوں کی بھی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ سخت سے سخت آزمائش میں بھی کبھی کوئی شکوہ ان کے لبوں پر نہیں آیا ایسی ہی بلند خواتین میں زلیخا بیگم آزاد کا نام بھی سر فہرست آتا ہے۔

مولانا آزاد کی شادی زلیخا بیگم سے ہوئی تو وہ بارہ سال کے معصوم لڑکے تھے زلیخا بیگم چھ سال کی ننھی منی بچی تھیں ان کے والد آفتاب الدین صاحب بغداد کے ایک شریف خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کا سلسلہ نسب حضرت صدیق اکبر سے جاملتا ہے۔ آفتاب الدین صاحب مولانا کے والد بزرگوں کے خاص مریدوں میں تھے زلیخا بیگم ان کی پانچویں صاحبزادی تھیں ان کے پیدا ہوتے ہی انہوں نے پیر کے قدموں پر لاکر ڈال دیا۔ انہوں نے بہت محبت سے اس حسین پیاری بچی کو گود میں لیا اور زلیخا نام رکھا بعد میں موہنی صورت والی بچی ان کو اتنی اچھی لگی کہ اس کو انہوں نے اپنی بہو بنالیا۔ چھ سال کی بالی عمر میں زلیخا بیگم بیاہ کر آئیں اور شباب کی منزل میں قدم رکھتے ہی وہ اس عظیم انسان کی پرستش کرنے لگیں مولانا کے ہر خیال کو انہوں نے سر آنکھوں پر رکھا۔

ہجر کی سختیاں بھی سہی اور مالی سختیاں بھی مگر لب پر کبھی اف تک نہ لائیں مولانا آزاد کی مالی حالت سیاسی جدو جہد میں حصہ لینے کی وجہ سے کبھی بھی اچھی نہیں رہی۔ ان تمام تکالیف کو محبت اور سکون سے برداشت کرتی جو شوہر کی جدائی اور مالی پریشانی کی وجہ سے اس پر گزرتیں۔ زلیخا بیگم کا زیادہ وقت یاد الٰہی اور مولانا آزاد کی کامیابی کی دعاؤں میں گزرتا۔

تحریک آزادی میں خواتین کی شرکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ جس زمانے میں ان کے مجاہد شوہر جیلوں میں چکی کی مشقیں برداشت کیا کرتے تو ان کی ہمدم و ہمساز رفقائے حیات گھروں کا انتظام ہی نہیں سنبھالتی تھیں بلکہ ہر طرح کی معاشی سختیوں ذہنی الجھنوں اور دیگر پریشانیوں کے باوجود اپنے شوہروں کے حوصلے بڑھاتیں اور دوسرے ایران آزادی کے خاندانوں کی بھی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ سخت سے سخت آزمائش میں بھی کبھی کوئی شکوہ ان کے لبوں پر نہیں آیا ایسی ہی بلند خواتین میں زلیخا بیگم آزاد کا نام بھی سر فہرست آتا ہے۔

مولانا آزاد کی شادی زلیخا بیگم سے ہوئی تو وہ بارہ سال کے معصوم لڑکے تھے زلیخا بیگم چھ سال کی ننھی منی بچی تھیں ان کے والد آفتاب الدین صاحب بغداد کے ایک شریف خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کا سلسلہ نسب حضرت صدیق اکبر سے جاملتا ہے۔ آفتاب الدین صاحب مولانا کے والد بزرگوں کے خاص مریدوں میں تھے زلیخا بیگم ان کی پانچویں صاحبزادی تھیں ان کے پیدا ہوتے ہی انہوں نے پیر کے قدموں پر لاکر ڈال دیا۔ انہوں نے بہت محبت سے اس حسین پیاری بچی کو گود میں لیا اور زلیخا نام رکھا بعد میں موہنی صورت والی بچی ان کو اتنی اچھی لگی کہ اس کو انہوں نے اپنی بہو بنالیا۔ چھ سال کی بالی عمر میں زلیخا بیگم بیاہ کر آئیں اور شباب کی منزل میں قدم رکھتے ہی وہ اس عظیم انسان کی پرستش کرنے لگیں مولانا کے ہر خیال کو

انہوں نے سر آنکھوں پر رکھا۔

ہجر کی سختیاں بھی سہی اور مالی سختیاں بھی مگر لب پر کبھی اف تک نہ لائیں مولانا آزاد کی مالی حالت سیاسی جدوجہد میں حصہ لینے کی وجہ سے کبھی بھی اچھی نہیں رہی۔ ان تمام تکالیف کو محبت اور سکون سے برداشت کرتی جو شوہر کی جدائی اور مالی پریشانی کی وجہ سے اس پر گزرتیں۔ زلیخا بیگم کا زیادہ وقت یاد الٰہی اور مولانا آزاد کی کامیابی کی دعاؤں میں گزرتا۔

تحریک آزادی میں خواتین کی شرکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ جس زمانے میں ان کے مجاہد شوہر جیلوں میں چکی کی مشقتیں برداشت کیا کرتے تو ان کی ہمدم و ہمساز رفقائے حیات گھروں کا انتظام ہی نہیں سنبھالتی تھیں بلکہ ہر طرح کی معاشی سختیوں ذہنی الجھنوں اور دیگر پریشانیوں کے باوجود اپنے شوہروں کے حوصلے بڑھاتیں اور دوسرے ایران آزادی کے خاندانوں کی بھی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ سخت سے سخت آزمائش میں بھی کبھی کوئی شکوہ ان کے لبوں پر نہی آیا ایسی ہی بلند خواتین میں زلیخا بیگم آزاد کا نام بھی سرفہرست آتا ہے۔

مولانا آزاد کی شادی زلیخا بیگم سے ہوئی تو وہ بارہ سال کے معصوم لڑکے تھے زلیخا بیگم چھ سال کی ننھی منی بچی تھیں ان کے والد آفتاب الدین صاحب بغداد کے ایک شریف خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کا سلسلہ نسب حضرت صدیق اکبر سے جاملتا ہے۔ آفتاب الدین صاحب مولانا کے والد بزرگوں کے خاص مریدوں میں تھے زلیخا بیگم ان کی پانچویں صاحبزادی تھیں ان کے پیدا ہوتے ہی انہوں نے پیر کے قدموں پر لا کر ڈال دیا۔ انہوں نے بہت محبت سے اس حسین پیاری بچی کو گود میں لیا اور زلیخا نام رکھا بعد میں موہنی صورت والی بچی ان کو اتنی اچھی لگی کہ اس کو انہوں نے اپنی بہو بنا لیا۔ چھ سال کی بالی عمر میں زلیخا بیگم بیاہ کر آئیں اور شباب کی منزل میں قدم رکھتے ہی وہ اس عظیم انسان کی پرستش کرنے لگیں مولانا کے ہر خیال کو انہوں نے سر آنکھوں پر رکھا۔

ہجر کی سختیاں بھی سہی اور مالی سختیاں بھی مگر لب پر کبھی اف تک نہ لائیں مولانا آزاد کی مالی حالت سیاسی جدوجہد میں حصہ لینے کی وجہ سے کبھی بھی اچھی نہیں رہی۔ ان تمام تکالیف کو محبت اور سکون سے برداشت کرتی جو شوہر کی جدائی اور مالی پریشانی کی وجہ سے اس پر گزرتیں۔ زلیخا بیگم کا زیادہ وقت یاد الٰہی اور مولانا آزاد کی کامیابی کی دعاؤں میں گزرتا۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی شریک حیات زلیخا بیگم نے جنگ آزادی میں ہر قدم پر اپنے شوہر کا ساتھ دیا اور اپنے گھر کو بھی سنبھالا۔ زلیخا بیگم نے مکمل طور پر خود کو شوہر کے خیالات کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔

مولانا آزاد کو حکومت نے ایک سال کی قید کی سزا دی تو زلیخا بیگم نے ان کے تمام کام سنبھال لئے گاندھی جی کو انھوں نے تار میں لکھا۔

"انھیں (مولانا آزاد) صرف ایک سال قید با مشقت کی سزا سنائی گئی ہے۔ نہایت تعجب طور پر یہ اس سزا سے کم ہے جس کے لئے ہم تیار تھے۔ اس معاملے میں ان سے ناانصافی برتی گئی ہے اگر قید کی سزا قومی خدمات کا معاوضہ ہے تو یہ سزا کم سے کم بھی نہیں جس کے وہ مستحق تھے۔ میں آپ کو اطلاع دے رہی ہوں کہ اس وقت مولانا کے جیل جانے

سے جو جگہ خالی ہوئی ہے۔اس کے لئے میں نے اپنی ناچیز خدمات پیش کردی ہیں۔وہ تمام کام بدستور جاری رہیں گے جو مولانا کی موجودگی میں انجام پاتے تھے۔گو میرے لئے یہ عظیم ذمداری ہے مگر میں خدا سے مدد کی پوری پوری امید رکھتی ہوں"

(ص-119-ہندوستان کی جنگ آزادی میں خواتین)

زلیخا بیگم نے نہ اچھا کھانے و پینے کی شکایت کی اور نہ کبھی اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کیا بلکہ ہر طرح محبوب شوہر کو آرام پہنچانے میں لگی رہیں تاکہ گھریلو فضاء کے خوشگوار ماحول میں تازہ دم ہوکر وہ نئے ولولے اور جوش سے جنگ آزادی کے تقاضوں کو پورا کرسکیں۔یہی نہیں انھوں نے مولانا کے سیاسی عقائد و افکار کو بھی مکمل طور پر اپنا لیا تھا۔ مولانا آزاد ہی کی زبان میں "زلیخا بیگم نے پوری کوشش کی کہ میری زندگی کے حالات کا ساتھ دے۔اس نے صرف ساتھ ہی نہی دیا بلکہ پوری ہمت و استقامت سے ہر طرح کے ناخوشگوار حالات برداشت کئے۔وہ دماغی حیثیت سے میرے افکار و عقائد میں شریک تھی اور عملی زندگی میں رفیق و مددگار"(ص-164-165 ایضا)

بالآخر 19 اپریل 1943ء کو زلیخا بیگم ان کے دیدار کی حسرت ہی لئے اس دارفانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئیں۔

پورے ملک میں زلیخا بیگم کی اس المناک موت پر ماتم کیا گیا اور سامراجی حکومت کے ظلم وہ استعداد پر شدید غم و غصے کا اظہار کیا گیا۔جس نے مولانا کو اپنی شریک حیات کی خطرناک علالت کے باوجود بھی غیر مشروط رہائی دینا منظور نہیں کیا۔یہاں تک کہ مسلم لیگ نے بھی مولانا کے سیاسی عقائد و نظریات سے سخت بیزاری کے باوجود کلکتہ میں تعزیتی جلسہ کیا۔

آزادی کی اس منزل کو پالینے میں زلیخا بیگم جیسے کتنے ہی پیکر مہر و وفا و خلوص و ایثار 'مادر وطن پر خاموشی سے پروانہ وار نثار ہوگئے آزاد ہندوستان کی تاریخ کیا کبھی ان کا شمار کرسکے گی؟ شاید کبھی نہیں۔

فہیم اختر۔لندن، برطانیہ

غزل

رسوائیوں پہ اپنی، شکایت نہ کر سکا
آنکھیں بھری ہیں کیوں یہ وضاحت نہ کر سکا

جب سے ہوا ہے عشق میں، بیمار میرا دل
اپنے حریف سے بھی عداوت نہ کر سکا

اس مصلحت نے یوں مری عادت بگاڑ دی
میں احتجاج دل کی، حمایت نہ کر سکا

کیسا ہے عشق تیرا، محبت کے نام پر
اہل خرد کے بیچ بغاوت نہ کر سکا

بندوق میرے کاندھے سے اس نے چلائی ہے
میں دوستی میں خود کی حفاظت نہ کر سکا

ہے یاد کربلا کبھی اثاث گر فہیم
یہ دل کبھی ستم پہ بغاوت نہ کر سکا

ڈاکٹر فاظم علی۔سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج،موڑتاڑیونیورسٹی واکیڈیمک اسٹیٹ،ممبر،تلنگانہ

پروفیسر اشرف رفیع ہمہ جہت اوصاف کی ادیبہ وشاعرہ

اردوزبان وادب میں خاص کر حیدرآباد دکن میں اردوزبان وادب کی خدمات انجام دینے والوں میں خواتین کا بھی اہم حصہ ورول رہا ہے، انھوں نے صحافت میں کارہائے نمایاں خدمات انجام دی ہیں، ان میں ڈاکٹر زینت ساجدہ، ڈاکٹر رفیقہ سلطانہ، ڈاکٹر ثمینہ شوکت، ڈاکٹر سیدہ جعفر، ڈاکٹر حبیب ضیاء، رشید موسوی قابل ذکر ہیں۔ خاتون صحافیوں میں احمدی بیگم، فنکار، صغرا ہمایوں مرزا۔ انسا، صالحہ الطاف خاتون دکن مقبول ہوئیں۔اسی طرح پیشہ طب قانون اور تعلیمات میں بے مثال نقوش ثبت کئے ہیں۔ 8مارچ کو یوم عالمی خواتین منایا جارہا ہے،اس لئے اردو کی ایک پروفیسر کا تعارف تحسین پیش کیا جاسکے۔اردو زبان وادب کے علاوہ سماجی جہد کار اور شفیق استاد، محقق، نقاد، شاعرہ اور حیدرآبادی مسلم معاشرہ خاص کر خاتون طبقہ کے مسائل حل کرنے میں پیش پیش رہنے والی پروفیسر اشرف رفیع ہیں، ان کے شاگرد ملک اور بیرون ملک اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں، کئی نسلیں ان سے تعلیمی علمی، ذہنی تربیت پاکر سماج میں اعلیٰ مقام حاصل کیا اور اپنے استادوں کا نام روشن کیا۔

پروفیسر اشرف رفیع حیدرآباد دکن کی مایہ ناز شاعرہ ادیبہ ہے،آپ کا اصل نام اشرف رفیع قلمی نام اشرف رفیع تخلص اشرف ولدیت مولوی محمد رفیع الدین صدیقی یکم جنوری 1938ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئیں، آپ نے ایم۔اے 1965- PH.D 1981 جامعہ عثمانیہ سے کیا۔جامعہ عثمانیہ سے صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے سبکدوش ہوئیں۔آپ قلم کے ذریعہ شاعری۔تنقید وتحقیق کا کام کرتے رہی ہیں اور آج بھی مختلف ادبی سماجی موضوعات پر لکھتی ہیں۔آپ کئی ایک علمی اور ادبی اداروں سے وابستہ ہیں۔

(۱) ادارہ ادبیات اردو حیدآباد
(۲) ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد
(۳) انجمن ترقی ادب
(۴) ولیسن اسوسی ایشن حیدرآباد
(۵) آندھراپردیش اردو اکیڈمی
(۶) نظامس اردو ٹرسٹ آندھراپردیش
(۷) انجمن ترقی اردو آندھراپردیش

ان کے علاوہ اور بھی اداروں سے آج بھی وابستہ ہیں۔محفل خواتین کی روح رواں آپ کی تصانیف ہیں۔

(۱) نظم طباطبائی
(۲) مقالات طباطبائی
(۳) دکنی مثنویوں کا انتخاب
(۴) عود غزل (غزلوں کا مجموعہ)
(۵) تلخیص عروض وقافیہ

(۶) تلاش زبان وادب 1999ء

(۷) دیوان غالب ضامن کنتوری کی ترتیب مدون

آپ کی ان تصانیف پر اردو اکیڈمی آندھرا پردیش نے ایوارڈ وانعامات سے نواز۔ مجموعی خدمات پر امتیاز میر عطا ہوا۔

پروفیسر اشرف رفیع استاذ الاساتذہ، نقاد، محقق اور علم نجوم کی ماہر ہیں، عصری دور میں خاتون قلم کاروں امیر کاروں میں آپ کا علمی وادبی سفر نصف صدی پر محیط ہے، ادب کے شعبوں تحقیق وتنقید اور غالبیات پر عبور رکھتی ہیں، غالبیات کی شارحین میں شمار ہوتا ہے، مرزا غالب اکیڈمی حیدرآبا سے آپ کی علمی، ادبی خدمات پر عمدہ انعامات کا خطاب عطا کیا۔ آپ کی شخصیت میں ہمدردی، رحمدلی، اخلاص، درد، کشادہ ذہنی، کشادہ ملی اور ہر ایک سے مہذب انداز سے گفتگو اور با اخلاق شاگردوں سے غیر جانبداری، خلوص شفقت سے پیش آتی ہیں۔ حیدرآباد کی تہذیب اور ادبی دنیا کا بڑا نام اشرف رفیع ہیں۔ آج بھی ادبی ماحول میں سرگرم ہیں اور مختلف جامعات اداروں میں اپنے مدبرانہ اور دانشمندانہ خطابات سے سامعین کو علمی وادبی بصیرت وادراک عطا کرتی ہیں، نسل نو کی لڑکیاں اشرف رفیع کی زندگی اور کام کو مشعل راہ بنائیں تو وہ بھی مستقبل کی شاعرہ ادیبہ سماجی جہد کار بن سکتی ہیں، اشرف رفیع نے اردو زبان وادب کو بہت کچھ دیا، ان کی تصانیف تنقید، تحقیق میں اپنا مقام رکھتی ہیں، بحیثیت شاعر بھی اپنا لوہا منوایا ہے، اللہ کرے زور سخن وقلم اور زیادہ، ہمیشہ صحت مند رہیں، ہندوستان کی جامعات میں اشرف رفیع پر PH.D کا کام کرایا جائے کوں کہ ان پر تحقیق ناگزیر ہے۔ پروفیسر اشرف رفیع کے فکر وفن پر مختلف مکاتب فکر لوگ کے یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ جیسے

ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال کہتے ہیں:

اردو دنیا جانتی ہے کہ اشرف رفیع ابتدائی تعلیمی دور سے اپنی بے پناہ صلاحیتوں کا اظہار کرتی رہی ہیں، اشرف کے بارے میں کہنے کو تو بہت کچھ ہے ان کے لئے باقاعدہ دوروزہ سمینار کا انعقاد ہونا چاہئے۔

حیدرآباد کے شاعر وادیب مصحف اقبال توصیفی نے کہا کہ محترم اشرف کی شاعری کا لب ولہجہ اور معنوی جہتیں حیدرآباد کی دیگر شاعرات سے مختلف ومنفرد لگتی ہیں اگر آپ مشاعروں اور رسائل میں کلام چھپوانے لگ جاتیں تو حیدرآباد کی دیگر شاعرات کے چراغ گل ہوجاتے۔

ماہر دکنیات پروفیسر نسیم الدین فریس مانو نے کہا کہ محترمہ اشرف رضیع کے شعری اظہار پر فیمی نزم کا ٹھپہ نہیں لگایا جاسکتا۔

فیمی نزم اور نسائی حسیت دونوں کی الگ الگ معنوی تعبیرات ہیں، ان کی شاعری میں خواتین کے حقوق مطابق ان کے سماجی موقف کو صحت مند بنانے کی تحریک پائی جاتی ہے، ان کی تحقیق انکشافات میں سب سے پہلے کلام غالب کی شرح حیدرآباد میں لکھی گئی، آپ ایک متوازن شخصیت کی حامل ادیبہ ہیں، ان کی تحریروں میں کوئی انکشاف دلیل کے بغیر نہیں ملتا۔ ان نقادوں دانشوروں کے علاوہ اردو کے کئی ایک مستند ومعتبر نقادوں نے ان کی فکر وفن پر لکھا ہے اور لکھتے رہیں گے، اس موقع پر راقم ان کے لئے دعا گو ہے اللہ ان کو صحت سے نوازے اور زور قلم اور زیادہ۔

حنا گلاب۔ ریسرچ اسکالر، مانو، حیدرآباد

اُستاد ہوں تو ایسے!

میں نے یہ عنوان اُستادِ محترم پروفیسر مظفر شہ میری کے قائم کردہ عنوان ''بیٹی ہو تو ایسی'' کی تقلید میں قائم کیا ہے جسے پروفیسر موصوف نے اپنی ایک ریسرچ اسکالر ڈاکٹر آمنہ آفرین کی کتاب کی تقریظ کے سرنامے کے طور پر لکھا ہے۔ مجھے یہ عنوان اور اُس میں پوشیدہ بے لوث محبت نے بہت متاثر کیا۔ کیا ہی خوب صورت قول ہے:

بہترین استاد وہ ہے جس کی پیشانی پہ لفظ محبت لکھا ہو۔

میں خوش نصیب ہوں کہ مجھے اُستادِ محترم سے علم حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ جب ڈاکٹر عبدالحق اُردو یونی ورسٹی، کرنول، آندھرا پردیش کے اولین وائس چانسلر کے عہدے پر فائز ہوئے اور ایک سمیسٹر کے بعد ہماری کلاسیں لینے بہ نفس نفیس تشریف لائے تو ہمیں اُن کی گفتگو سن کر حیرت و مسرت ہوئی اور ہم دھیرے دھیرے اُن کی کلاسوں کے عادی بنتے چلے گئے۔

اُستادِ محترم ہمیں فن تحقیق کی کلاس پڑھاتے تھے۔ اس طرح مجھے ان سے فن تحقیق کے اہم رموز سیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے ان کی کلاسوں میں اُن کے طریقِ تدریس کا بغور مشاہدہ کیا۔ میرے علاوہ میرے ہم جماعت لڑکے اور لڑکیاں بھی ان کے پُر لطف طریق تدریس سے متاثر تھے۔ میں دعوی کے ساتھ کہتی ہوں کہ میری طرح ہر طالب علم یہی کہے گا: ''اُستاد ہوں تو ایسے''۔ میں کلاس میں سر کو دیکھتی تھی تو مجھے ان کی تصویر کچھ ایسے نظر آتی تھی۔ چہرے پر بشاشت، ہونٹوں پر مسکراہٹ، دل میں محبت اور ذہن ہے کہ گہرے افکار میں ڈوبا ہوا اور جسمانی حرکات جیسے کوئی مدد مانگے تو ہاتھ بڑھادیں اور کہیں کہ بولو کیا چاہیے؟ لگتا ہے کہ تدریس ان کا پسندیدہ عمل ہے اور انھیں بس یہی مشغولیت چاہیے۔

ہم پہلے کچھ ماہ انھیں وائس چانسلر کی حیثیت سے دیکھتے اور سنتے تھے۔ ہمیں ان کی تقریر بڑی اچھی لگتی تھی۔ مگر جب وہ ایک اُستاد کے طور پر ہماری کلاسیں لینے لگے تو ہم سے اتنے قریب ہو گئے کہ ہمیں لگا کہ وہ اُستاد پہلے ہیں اور وائس چانسلر بعد میں۔ ممکن ہے اُن کے چاہنے والے انھیں ایک شاعر، ادیب، مقرر، مترجم وغیرہ سمجھتے ہوں مگر میں ان سب کے باوصف انھیں اعلیٰ پایے کے اُستاد سمجھتی ہوں۔ کیوں کہ ہم جب ان کی کلاس سے باہر آتے تھے تو ہمیں لگتا تھا کہ ہم نے وہ سب کچھ حاصل کر لیا ہے جس سے آج تک محروم تھے۔

استاد اصل میں معمار قوم ہوتا ہے؛ قوم کو بنانے والا قوم کو سنوارنے والا۔ میرا یہ ماننا ہے کہ طالب علم ایک قیمتی پتھر ہوتا ہے جسے ایک شفیق اُستاد تراش کر ہیرا بناتا ہے اور وہ یہ کام اپنی بے پناہ محبت، علم اور عمل کے ذریعے کرتا ہے۔ ہم بچوں کے لیے ماں باپ اہم ہستیاں ضرور ہیں جو ہم کو دنیا میں لے کے آنے کا ذریعہ بنتی ہیں، اِن میں بھی ماں زیادہ ہی عزیز، اور باپ سے زیادہ ہمارے قریب ہوتی ہے۔ تاہم دیکھا جائے تو استاد کی اہمیت ماں سے زیادہ اہم ہوتی ہے یا کم سے کم ماں کے برابر ہونی ہی چاہیے۔ کیوں کہ بچوں کو کامیابی سے ہمکنار کر کے منزلِ مقصود تک پہنچانے کا کام اُستاد ہی کرتا ہے، اور استادِ محترم مظفر علی شہ میری میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود ہے۔ وہ اپنے طلبہ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ مجھے اس کی مثال اُس وقت دیکھنے کو ملی جب اُن کے ایک شاگرد ڈاکٹر امین اللہ، ایسوسی ایٹ پروفیسر، سری وینکٹیسورا یونی ورسٹی، تروپتی نے ڈاکٹر عبدالحق اُردو یونی

ورسٹی میں دو لاکھ روپوں کا عطیہ دے کر اُستادِ محترم کے نام سے گولڈ میڈل کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ''میں آج جو کچھ ہوں وہ اپنے اُستادِ محترم پروفیسر مظفر شہ میری کی وجہ سے ہوں۔'' اُن کا یہ بیان، اُستاد اور شاگرد کی بے پناہ محبت پر دال ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے دو شرطیں گولڈ میڈل کے لیے رکھیں۔ اولاً یہ کہ گولڈ میڈل پر اُستادِ محترم کی تصویر چسپاں ہو اور ثانیاً یہ کہ گولڈ میڈل یونی ورسٹی کے سب سے اچھے اور مقبول وملنسار طالب علم کو دیا جائے۔ شاید ڈاکٹر امین اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ پروفیسر مظفر شہ میری کسی ایک مضمون کو پڑھانے والے اُستاد نہیں وہ سب کے اُستاد ہیں اور سب ان کے شاگرد ہیں۔ جزاک اللہ۔

جہاں تک اُستادِ محترم کے پڑھانے کا طریقہ ہے، مجھے لگتا ہے کہ اس کی بنیاد اخلاص اور محبت پر رکھی گئی ہے۔ یہ میرا خیالِ راسخ ہے کہ وہ اپنے پیشہ تدریس کو عبادت سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ یہ ان کا خلوص ہی ہے کہ وہ وائس چانسلر کے جلیل القدر عہدے پر فائز ہونے کے باوجود وقت پر آ کر کلاس سے باہر کھڑے ہو جاتے تھے۔ ظاہر ہے یہ کام اُن پر زبردستی تھوپا نہیں گیا تھا وہ خود شوق سے ہمیں پڑھانے آتے تھے۔ میری سمجھ میں ایک بات یہ بھی آئی کہ طلبہ کو کلاسیں اُسی وقت اچھی لگتی ہیں جب خود اُستاد کو اپنی کلاس بھلی لگتی ہو۔ کیوں کہ اگر استاد شوق سے نہ پڑھائے اور اپنے پیشے کو بوجھ سمجھ کر کرے تو طلبہ دو لمحوں میں اُستاد کی کم زوری کو بھانپ لیتے ہیں۔ اُستادِ محترم ہمیں پڑھانے کے لیے اپنے ساتھ نوٹس کے تراشے لاتے تھے اور اسی کے مطابق پڑھاتے تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کلاس کو آنے سے پہلے خوب تیاری کر کے آتے تھے۔ اور پھر ان تراشوں کو ہاتھ میں لے کر پڑھانے میں اتنے مشغول ہو جاتے جیسے کوئی عابد صادق دنیا و مافیہا کو فراموش کر کے سجدہ ریز ہوا ہو۔ میں کسی اُستاد کی برائی نہیں کر رہی ہوں مگر میں نے دیکھا ہے کہ اکثر سینیر اساتذہ ہوم ورک کرنے کو کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ مگر ہمارے وائس چانسلر اُستاد پر قربان جایئے کہ انھوں نے اپنے پیشے سے سرِ مو کوتاہی نہ کی۔

اُستادِ محترم کے پڑھانے کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ رواروی میں پڑھا کر کلاس سے نکل نہیں جاتے تھے۔ جب تک انھیں یقین نہ ہو جاتا کہ اُن کی بات کلاس کے ہر طالب علم تک پہنچ نہیں گئی ہے وہ ہم سے سوال و جواب کرتے تھکتے نہیں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ طلبہ فنِ تحقیق سے خوب واقف ہو جائیں تاکہ ڈگری حاصل ہو جانے کے بعد بھی تحقیق کے ذریعے قوم وملت کی خدمت کریں۔ یہی وجہ تھی کہ اگر طلبہ کسی دفتری مصروفیت میں الجھے ہوئے نظر آئیں یا وہ ذرا مستی کے موڈ میں ہوں یا کچھ طلبہ کلاس سے غائب ہوں یا وہ خود کسی مصروفیت کی وجہ سے تیاری نہ کر پائے ہوں تو وہ کلاس کو ملتوی کر دیا کرتے تھے۔

اگر ہم دنیا کی کامیاب ہستیوں کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ ان کی کامیاب زندگیوں کے پیچھے اُن کے کسی نہ کسی اُستاد کا ہاتھ ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ کچھ یہی کام ہمارے اُستادِ محترم نے بھی کیا ہے۔ اُنھوں نے اپنے کئی طلبہ کو دنیا میں اپنا مقام حاصل کرنے میں رہنمائی کی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ اُستاد کی اصل تصانیف ان کے شاگرد ہوتے ہیں۔ جس طرح ادباء اور مصنفین اپنی کتابیں تصنیف کرنے میں عمریں لگا دیتے ہیں، اُسی طرح مظفر سر نے اپنے شاگردوں کو بنانے میں اپنی عمر کا بڑا حصہ لگا دیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ صرف میرا خیال ہے۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ میری سہلیاں بھی جب سر کا نام سنتیں تو ان کے چہروں پر عزت و احترام کے جذبات رقص کرنے لگتے۔ یہ میرا مشاہدہ ہے کہ اکثر اساتذہ طلبہ کے سامنے اپنے آپ کو اونچا اُٹھانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں جب کہ مظفر سر اپنی کلاسوں میں طلبہ سے خود کو اونچا اُٹھانے کی فکر کرنے کے بجائے اُن کے ''بڑے'' بن کر ان کے سروں پر شفقت کا ہاتھ رکھنا پسند کرتے ہیں۔ یقیناً وہ جانتے ہوں گے کہ درخت اونچا ہو جائے تو سایہ نہیں دے سکتا لیکن اگر وہ بڑا ہو کر پھیل جائے تو نہ صرف یہ کہ ٹھنڈی چھاؤں دے گا بلکہ صحت

مند پھل بھی عطا کرے گا۔ مجھے یہ دعویٰ کرنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ اُستادِ محترم نے اپنی پوری زندگی اپنے طلبہ کو راہِ راست پر لگانے میں لگا دی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کئی شاگردوں میں ہمیں ان کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔

میرے نزدیک ایک اچھے اُستاد کی پہچان یہ ہے کہ اولاً وہ اپنے پیشے اور اپنے مضمون سے عشق کرتا ہو، ثانیاً وہ اپنے طلبہ سے بے لوث محبت کرتا ہو ثالثاً اُس کا منشاء یہ ہو کہ وہ اپنا علم اپنے طلبہ میں بانٹ دے اور وہ اس معاملے میں مخلص ہو۔ میں نے یہ ساری خوبیاں میرے اُستادِ محترم میں دیکھی ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جب ڈاکٹر عبدالحق اردو یونی ورسٹی کا لوگو (Logo) بنایا تو اُس میں یہ تین لفظ لکھے: محبت، محنت اور خدمت۔ یہ تینوں لفظ ہماری زندگیوں کو سنوارنے کے لیے کافی ہیں۔

اُستادِ محترم کے پڑھانے کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ وہ ہمیں پڑھاتے نہیں تھے بلکہ ہم میں پوشیدہ علم کو باہر نکالتے تھے۔ اُن کا طریقِ کار یہ ہوتا تھا کہ جس نکتے کو انھیں پڑھانا ہوتا تو وہ اُسے قابلِ بحث نکتہ بنا لیتے اور ایک سوال طلبہ کی جانب اُچھال دیتے۔ پھر کیا ہوتا ہر کوئی اپنی اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق بحث میں حصہ لینا شروع کر دیتا اور دیر تک یہ بحث چلتی رہتی۔ یوں یک کے بعد دیگرے ہم پر ادبی رموز کھلتے جاتے۔ دوسروں کی بات میں نہیں جانتی مگر میرا تجربہ ہے کہ اس تیکنک کی وجہ سے ایک لمحے کے لیے بھی میرا دھیان نہیں ہٹتا تھا۔

شاید اسی تیکنک کا نتیجہ تھا کہ سر کی کلاس میں حاضری مکمل ہوتی تھی۔ اکثر طلبہ و طالبات صرف سر کی کلاس کے لیے آتے جو عموماً دوسرے گھنٹے میں ہوتی تھی اور پھر دن بھر غائب ہو جاتے۔ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک لڑکی کافی دور سے کلاس کے لیے آئی تھی اور جیسے ہی سر کی کلاس ختم ہوئی وہ جانے لگی میں نے اُسے روکا اور کہا کہ دوسرے اساتذہ کی کلاسیں بھی سن لو۔ اُس نے ایک شانِ بے نیازی کے ساتھ کہا کہ میں تو صرف سر کے لیے آئی تھی اور وہ مسکراتی ہوئی وہاں سے چلتی بنی۔

مظفر سر کے لیے سارے طلبہ ایک جیسے تھے؛ اُن کے لیے ایک کند ذہن طالب علم بھی اُتنا ہی اہم ہوتا جتنا کہ ایک ذہین طالب علم۔ میں نے کبھی سر کو طلبہ میں امتیاز کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ ہر ایک کے ساتھ ایک جیسی محبت اور ایک جیسا سلوک روا رکھتے ہیں۔

میں نے ذاتی طور پر اُستادِ محترم جو خوبیاں دیکھی ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں۔ ۱۔ ٹھنڈا دماغ ۲۔ میٹھی زبان ۳۔ نرم دل ۴۔ روح پرور مسکراہٹ ۵۔ پڑھانے کا جوش و جذبہ ۶۔ دلچسپی ۷۔ سبق کا گہرا مطالعہ ۸۔ کارڈ سسٹم کا طریقہ ۹۔ بورڈ کا اچھا استعمال ۱۰۔ بھرپور توجہ کے لیے درس کے شروع اور دورانِ درس مسلسل سوال کرنا ۱۱۔ درس کے اہم نکات پر بار بار روشنی ڈالنا ۱۲۔ درس کو آسان بنا کر پڑھانا ۱۳۔ طلبہ کے سوالات کا جواب بڑے اطمنان و سکون سے دینا ۱۴۔ درس کے آخر میں تمام نکات کو دہرانا اور (۱۵) دوسرے روز کے مضمون کے تعلق سے اشارے فراہم کرنا تاکہ طلبہ پڑھ کر آئیں۔

میں نے سر کے یہاں ایک اور تیکنک بھی دیکھی ہے۔ وہ یہ کہ آتے ہی کلاس میں پڑھانا شروع نہیں کرتے۔ چند لمحوں کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرتے۔ جس کی وجہ سے طلبہ کے بھٹکے ہوئے دل و دماغ یکسو ہو جاتے تھے اور بارہا یوں بھی ہوا ہے کہ جو باتیں ہمیں ادھر ادھر کی لگی تھیں ان ہی میں سے اُس دن کے کلاس کو مضمون نکل آتا اور پھر کلاس شروع ہو جاتی۔

میں اُستادِ محترم کی کس کس خوبی کا ذکر کروں۔ اُن میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے طلبہ کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ انھیں لگتا ہے کہ ان کی باتیں سن کر طلبہ سچ مچ میدانِ عمل میں کود پڑیں گے اور وہ سب کچھ کر دکھائیں گے جن کی اُن سے اُمید کی جاتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے سینٹرل یونی ورسٹی آف حیدرآباد میں پی۔ ایچ۔ ڈی میں داخلے کے لیے امتحان دیا تھا اور چوں کہ میرا پرچہ اچھا ہوا تھا اور انٹرویو بھی اطمینان بخش ہوا تھا، اس لیے بڑی اُمید تھی کہ وہاں میرا داخلہ

ہوجائے گا۔ مگر جب رزلٹ دیکھا تو میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور میں زار و قطار رونے لگ گئی۔ داخلہ نہ ملنے کا غم تو تھا ہی مگر اس سے کہیں زیادہ غم اور ندامت یہ تھی کہ میں استادِ محترم کو کیا منہ دکھاؤں؟ اسی ادھیڑ بن میں دو ایک دن نکل گئے۔ آخرش ہمت کر کے میں نے سرؔ کو فون کیا اور یہ خبر سنائی۔ سرؔ نے افسوس کیا مگر میرے لیے وہ جملے کہے جو میرے دلِ شکستہ کو ڈھارس بنانے کے لیے کافی تھے؛ وہ جملے تھے: ''حنا! فکر نہ کرو۔ کیوں کہ بدنصیب ہیں وہ لوگ جنھوں نے آپ کو داخلہ نہیں دیا۔ آپ داخلے سے محروم نہیں ہوئے بلکہ وہ آپ جیسی ہونہار ریسرچ اسکالر سے محروم ہوگئے'' قربان جاؤں میں ان الفاظ پر۔ اُن کو سننے کے بعد میں ایک بدلی ہوئی لڑکی تھی۔ میرے اندر ہمت عود کر آئی۔ میں نے ہمت باندھی اور آگے بڑھتی رہی۔ اس کا نتیجہ ہے کہ آج میں مولانا آزاد قومی اردو یونی ورسٹی، حیدرآباد میں ڈاکٹر مسرت جہاں کی نگرانی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہی ہوں، اور خوش ہوں۔

اس بات پر مجھے مشہور سائنس دان طامس ایڈیسن کا واقعہ یاد آ گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن وہ اسکول سے لوٹے تو اپنے استاد کی دی ہوئی ایک چٹھی لا کر اپنی امی کو دی۔ چٹھی میں طامس ایڈیسن کی والدہ کو مخاطب کر کے لکھا گیا تھا کہ اُن کا لڑکا غیر معمولی طور پر ذہین ہے؛ اس حد تک کہ اُسے پڑھانے والے اساتذہ ہمارے اسکول میں نہیں ہیں؛ آپ اپنے لڑکے کو یا تو کسی اچھے اسکول میں داخلہ دلائیں یا آپ خود اسے پڑھا لیں۔'' طامس ایڈیسن کو یہ سن کر بہت اچھا لگا بلکہ اُسے اپنی انفرادیت و اہمیت کا احساس ہوا۔ میں طامس ایڈیسن نہیں ہوں مگر میرے اُستاد اُس کے اُستاد سے کم نہیں ہیں، جنھوں نے مجھے اپنی انفرادیت اور اہمیت کا احساس دلایا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا کرے۔

میں نے بھی پیشہ تدریس اختیار کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ مظفر سرؔ میرے لیے مثالی نمونہ ہیں۔ میں ان کے نقشِ قدم پر چل کر دین و علم کی خدمت کروں گی۔ مجھے معلوم ہے کہ ایک اُستاد میں عالی ظرفی بدرجہ اتم ہونی چاہیے، اُسے شب و روز محنت کرنی چاہیے اور اپنے اندر طلبہ کے لیے مثالی نمونہ بننے کی صلاحیت پیدا کرنی چاہیے۔ میرے نزدیک اُستاد وہی ہے جو چراغ بن کر جلے اور اندھیروں میں کھڑے ہوئے طلبہ کی زندگیوں میں روشنی بھر دے جیسا کہ میرے اُستادِ محترم پروفیسر مظفر شہ میری کیا کرتے ہیں۔ ''سرؔ! کوئی آپ سا نہیں ہے۔''

رفعت۔ نیویارک

دل

ہر دل کو دھڑکنے کے سوا کام نہیں ہے
دنیا میں کسی کو کبھی آرام نہیں ہے

منشا جو ترا ہے وہی کہلاتا ہے تقدیر
تدبیر کا حاصل مرا انجام نہیں ہے

جاگے ہوئے اوقات ہیں تنہائی کے حامل
یہ نصف شبی میری سحر گام نہیں ہے

ہر گام پہ اسلام کی تصدیق ہویدا
سچائی کبھی جھوٹ پہ نیلام نہیں ہے

تقدیسِ بدن مثلِ کفن پر سرِ مدفن
کچھ زینتِ تن مقصدِ احرام نہیں ہے

طے ہونے لگا ہے مری دلچسپی کا ماحول
بے مقصدی تحریر مرے نام نہیں ہے

رفعتؔ مری مجلس پہ مجھے ناز نہ ہو کیوں
مسکن مرا معمورۂ اوہام نہیں ہے

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم میں بانی وناظم ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد

ڈاکٹر مفتی محمد محامد ہلال اعظمی مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning: 9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

MADRASA ISLAMIA NAJMUL ULOOM
Shahi Hills, Near Masjid Noor Ali, Shaheen Nagar, Hyderabad.
SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم
شاہی ہلز نزد مسجد نور علی، شاہین نگر، حیدرآباد
Regd No: 180/2016

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.....گرامی قدر محترم! امید ہے کہ آپ اپنے متعلقین کے ساتھ بخیر وعافیت ہوں گے

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے خَیْرُکُم مَن تَعَلَّم القُرآن وَعَلَّمَہ ۔تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی علم کی نشر واشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** شاہی ہلز شاہین نگر حیدرآباد میں ۱۵؍جنوری ۲۰۱۶ء کو قائم کیا گیا تا کہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہوجائیں۔اللہ رب العزت ان مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔آمین یارب العلمین۔

مدرسہ ہذا اور ٹرسٹ کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔ٹرسٹیوں کے مشورے سے ٹرسٹ اور مدرسہ کے لیے تین سو ستائیس (327) رگز زمین شاہی ہلز شاہین نگر میں خریدی جاچکی ہے، جس کی مجموعی قیمت چھتیس لاکھ ستّر ہزار تھی۔الحمدللہ اہل خیر کے تعاون سے بیشتر رقم ادا کردی گئی ہے۔ماشاءاللہ تعمیری کام جاری ہے۔الحمدللہ پہلا چھت پڑچکا ہے، مزید مراحل کے لیے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ نقد اور اشیاء سے تعاون فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

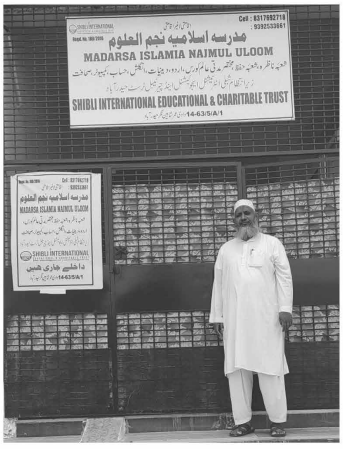

Bank Name: IDBI CURRENT ACCOUNT
A/c Number: 1327104000065876
A/c Name: SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code: IBKL0001327. Branch: Charminar

حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Google Pay: **8317692718** WhatsApp: **9392533661**

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

Sep. 2022 ستمبر

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216

Rs. 20/-

ABDUL WAHED
PROPRIETOR
Cell: 98480 36940

For Orders : 90302 02018
86396 32178
89197 03547

KGN XLNT TEA
Rich Aroma, Refreshing Taste
•PREMIUM QUALITY TEA

KGN
TEA SALES

UMBRELLA BRAND TEA
Rich Aroma, Refreshing Taste
•GOLDEN QUALITY TEA

WHOLESALE & RETAIL TEA MERCHANT

S.No.: 22-1-114, Jambagh, Kali Khabar Main Road, Dar-ul-shifa, Hyderabad - 500 024, TS
Off.: 5-3-989, 104, First Floor, Sherza Estates, N.S. Road, M.J. Market, Hyderabad - 500 095
email: kgnteasales@gmail.com

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com